مختصر

فہرست مضامین

شجرۂ انساب وغیرہ وغیرہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ——— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ضروری گذارش

ناظرین پر تمکین اور واقفان تواریخ کی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ تواریخدانی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے کیونکہ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہمیں حالات زمانہ گذشتہ یا کارنامہائے بزرگان قوم ماضی سے واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ زرین عمل کا میسر ہوتا ہے۔ مگر نہایت جائے افسوس ہے کہ باوجود کثیر تعداد ہونے قوم سادات مشوانیان میں سے کسی صاحب نے کسی تالیف کی طرف رجوع نہ کی حالانکہ اس قوم میں اعلیٰ تعلیمیافتہ طبقہ موجود ہے۔ چونکہ مایوسی بھی ایک مہلک مرض ہے اس لئے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کو مدنظر رکھتے ہوئے امیدوار ہوں کہ تعلیمیافتہ طبقہ باقی اقوام کی ترقیات سے عبرت حاصل کر کے متفقہ طور پر اپنی اردو قوم کو پھر زندہ اقوام کے صف میں لاکر کھڑا کردینگے۔ یہ ایک اشارہ ہے انشاء اللہ دوسری تالیف میں اسپر پوری روشنی ڈالی جائیگی۔

میرا مصمم ارادہ تھا کہ میں ایک مکمل تواریخ لکھوں جس میں کم از کم تمام ضلع کے اقوام کے حالات ہوں مگر بدقسمتی سے مفصلہ ذیل وجوہات سے محروم رہا۔

(۱) سرکار برطانیہ کے قلمرو میں میری آمد و رفت پر بندشیں۔

(۲) کافی ذخیرہ کا دستیاب نہونا جسکی وجہ بھی نمبر (۱) بالا ہے۔

(۳) عدیم الفرصتی اور مصائب دنیاوی کے حملے۔

لہذا وجوہات بالا کی وجہ سے صرف مجموعہ ہذا کی تصنیف پر کمر ہمت باندھی۔

اس مجموعہ میں نہایت اختصار سے کام لیا گیا تاکہ بچوں سے ضعیف العمروں تک

اس سے یکساں مستفید ہو سکیں۔ اگر قوم نے میری اس مجموعہ کی نسبت حوصلہ افزائی کی تو انشاء اللہ میں ایک مکمل تواریخ کے لکھنے کی جرأت کر سکونگا۔

آخری استدعا

اگرچہ مجموعہ ہٰذا کی صحت میں نہایت احتیاط کیگئی ہے تاہم ممکن ہے کہ بعض مقامات پر غلطیاں رہگئی ہوں۔ جو صاحب مجھے ان غلطیوں سے یا میری قوم کی نسبت اس سے زیادہ معلومات اصلی سے بحوالہ کتاب از روئے انصاف نہ از روئے تعصب مطلع فرمائیں گے تو وہ عند اللہ ماجور اور میرے دلی شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ خداوند کریم مجموعہ ہٰذا کو میری امیدوں سے زیادہ مقبول عام فرمائے آمین ثم آمین یارب العٰلمین۔

العاصی
سید یوسف شاہ عرف شاہ جی ٹھیکیدار
ساکن سری کوٹ۔ ڈاکخانہ غازی۔ ضلع ہزارہ
حال مقیم
زنتارہ خیبر۔ ڈاکخانہ لنڈی کوتل۔ ضلع
پشاور

مؤرخہ
۳ فروری ۱۹۳۰ء

مختصر حالات سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

(اہلِ وطن سے خطاب)

اے اہل وطن تمپر سلامتی بھیجنے کے بعد درد دل سے گذارش کرتا ہوں کہ آج سے پانچصد تئیس ۵۲۳ سال پہلے ملک عرب کے سابقہ دار الخلافہ بغداد کے متصل ایک گاؤں میں سب سے معزز خاندان میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سید محمد رکھا گیا یعنے اُن کی ولادت اقدس ۴ رجب المرجب ۷۲۱ھ میں واقع ہوئی۔ اُن کی جو تاریخیں لکھی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں سہ

اشرف اولاد آلِ مرتضےٰ	شیخ دین سید محمد پیشوا
ہادیٔ محبوب آلِ بوتراب	کرن رستم تولید آن شاہ ہُدا
مرشدِ دینِ ہمایوں گفتہ اند	سال تولیدش بقول اصفیا
نیز تاج اولیا صدیق دین	باز زیب دین محمد مقتدا

یہ لڑکا اوائل بچپن ہی سے علم حقیقی کی طرف متوجہ رہا۔ ایک مدت تک ایک نیک نام و نیک بخت شہری زندگی بسر کرتا رہا اس کے چال چلن کے متعلق دوست و دشمن سب مداح تھے

آپ مادر زاد ولی تھے

ایک روز آپ حالت مشغولی حق میں تھے کہ حق تعالیٰ سے خطاب ہوا اندلی کما شئت یعنے کرو جو کچھ کہ چاہتے ہو۔ آپ نے عرض کی کہ یارب العٰلمین جو کچھ بھی ہو لیکن متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق عطا فرما۔ اُن کے حکم کے موافق رہوں گا میں اُن کے قدم بقدم چلوں جس چیز کے کرنے کے لئے حکم فرمائے ہیں وہ کرونگا جس کی نسبت منع فرمائے ہیں اُس پر ہرگز قدم نہ رکھوں گا سوال مقبول الٰہی ہوا۔ ملاحظہ ہو مثنوی

اُنیسِ نبی و جلیسِ علی + بسا رازِ پنہاں ازو شد جلی

جوں جوں اُن کی عمر بڑھتی گئی اُن کی دردمندیٔ دین بھی زیادہ ہوتی گئی حتیٰ کہ جب ستائیس برس کے قریب پہنچے تو وہ غاروں پہاڑوں جنگلوں میں اَن دیکھے خدا کو پکارنے کے لئے شہر سے غائب رہنے لگے چونکہ اللہ جل و علیٰ شانہٗ کو اُن کا غائب رہنا منظور نہ تھا بلکہ اُن سے دنیا کو مستفید کرانا اور اُن سے ایک نسل قائم کرنا منظور تھا اس لئے اُن کو ایران، افغانستان اور ہندوستان کے سفر کا حکم ہوا۔ حکم صادر ہوتے ہی وہ عازم سفر ایران ہوئے۔ اگرچہ اُنکے لقب گیسو درازی پر بہت تاویلیں ہیں تاہم اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جب یہ ایران پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو راہِ راست کی تلقین میں مصروف ہوئے۔ اُس وقت ان کی زلفیں لمبی لمبی تھیں اور فارسی میں زلفوں کو گیسو اور لمبی کو دراز کہتے ہیں اس لئے ایران ہی سے لقب گیسو درازی کے ملقب ہوئے۔ عرصہ قلیل کے بعد افغانستان رونق افروز ہوئے اور قزل نام جگہ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے متصل کا علاقہ غوڑہ مرغۂ سے موسوم ہے۔ یہاں سے مقام کوہ سلیمان، علاقہ قوم کاکڑ، شیرانی اور کرانی کے درمیان ایک جگہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ اس طرح یہ تین قبیلے ان کے مبارک وجود سے فیضیاب تھے اور ان سے حقیقت کی باتیں سیکھ کر غایت اصلی سالک تھے۔ ایک دفعہ ان تینوں قبیلوں پر ناگہانی خوف و ہراس نازل ہوا۔ مصنف تواریخ خورشید جہان نے خوف و ہراس کو لشکر مغلان تحریر کیا ہے جو ان قبائل کو پامال کرنا چاہتی تھی۔

اُنہوں نے یعنے قبائل کاکڑ، شیرانی اور کرانیوں نے میر سید محمد گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہو کر مدد کی التجا کی تاکہ یہ بلا ٹل جائے۔ سید موصوف نے ان کے حق میں دعا کی اور اس بزرگ کی وساطت سے اُن کو اُس آفت سے نجات ہو گئی۔ اب تو ان قبائل کے ارادت اُن کے حق میں بہت زیادہ ہو گئے۔ انہوں میر سید محمد گیسو دراز صاحب کی خدمت میں نذر و نیاز پیش کئے۔ مگر سید ممدوح نے اُن سے کسی نذر و نیاز کی طرف کچھ بھی التفات نہ کیا۔ لہٰذا

ان قبائل کے سرکردوں نے آپس میں مشورہ کر کے تین جوان لڑکیاں ان کی خدمت میں پیش کیں ایک کرانیوں میں سے دوسری کاکڑوں میں سے تیسری شیرانیوں میں سے۔ میر سید محمد گیسو دراز نے اس پیشکش کو منظور کر کے حسب شرع ان تینوں سے عقد کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان تینوں خاتونوں کے چار لڑکے تولد ہوئے۔ کاکڑی قبیلے کی عورت کا بیٹا مشوانی تھا اور شیرانی قبیلے کی عورت کا استوریانی جو استرانی پر مشہور تھا اور کرانی عورت کے توام بیٹے ہونی و ورد گ تھے۔ ہونی کو ہنی بھی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ چار قبیلے سیدزادے ہیں مگر ان کو افغان ہی کہتے ہیں اور اپنے آپ کو سید نہیں کہتے اس بارے میں وہ اس پر متفق ہیں کہ جب ہم سیدوں کو چھوڑ کر افغانوں میں شامل ہو گئے تو ہمارا اپنے آپ کو سید کہنا غیر موزون اور خلاف عقل ہے۔ اور ہمارے بزرگوں کا بھی یہی قول ہے کہ ہماری نسل میں سے جو کوئی بھی سید کا لقب اختیار کرے گا وہ ہم سے نہیں۔ اس معاملہ پر سکندر شاہ اور شیر شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں پہلے بھی بحث ہو چکی ہے اور ان عالی رتبہ اشخاص نے بھی اس بیان کی تصدیق سے انکار نہیں کیا۔ اور اُنہی بادشاہوں کے مجالس میں بحث ہو کر فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔ (دیکھو تواریخ افاغنہ حصہ دوم صفحہ نمبر ۸۳ و ۸۴)

مصنف تواریخ افاغنہ کی تحریر سے بھی یہی ثابت ہوا کہ یہ چار قبیلے سیدزادے ہیں۔ مگر اپنے آپ کو سید نہیں کہتے۔ اب نسل سادات سے تو انکار ہی نہ ہوا مگر اپنے آپ کو سید نہ کہنے کی وجہ مفصلہ ذیل ہے:۔

لفظ سید کو جب افغانوں کا نا تعلیم یافتہ فرقہ سنتے ہیں تو اس سید کے لفظ کی فضیلت اور گنتی معنے کی بے خبری سے اپنے دل سے یہ معنے نکالتے ہیں کہ سید سائل کو کہتے ہیں اور پٹھانوں میں چار فرقے سائل تصور کئے جاتے ہیں سید، میاں، ملا اور فقیر۔ اور ان میں کوئی تمیز نہیں کرتے کہ کنکو کن پر فضیلت ہے۔ اور پٹھان یہ بھی کہتے ہیں کہ

وہ دراصل مملکت، ارامیات، خانی، اور اعزازوں کے مستحق ہیں۔ بسید وغیرہ دم درود کے لوگ ہیں اور اسی سائلی کیوجہ سے وہ سیدوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ جو تعلیم یافتہ ہیں وہ اس خیال سے مستثنیٰ ہیں۔ چونکہ میر سید محمد گیسو دراز صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ بہت ناتعلیمیافتہ سادات بھی تو ایسے ہیں جو اپنے آپ کو سائلی کے ٹھیکہ داران تصور کرتے ہیں اور یہی پیشہ اختیار کر بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے لوگ بدظن ہو گئے لہذا سید موصوف نے جو اپنی اولاد کو سید کے لفظ سے منع فرمایا درحقیقت سائلی سے ممانعت کا ہے نہ کہ نسل سادات سے انکار کا۔

چونکہ مدت دراز سے اولادش نے اس نصیحت پر عملدرآمد کیا اور کر رہے ہیں اس لئے اب بعض لوگوں میں یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ مشوانی افغان ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ درحقیقت مطلب کچھ تھا اور سمجھ کچھ گئے۔ میں اب بھی سید محمد گیسو دراز صاحب کی نصیحت پر پابند رہنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ میرا اب بھی یہ مطلب نہیں کہ مشوانیوں کو سید ظاہر کر کے سائل بناتا ہوں (نعوذ باللہ) بلکہ بعض ناواقف لوگوں کو اصلیت سے آگاہ کرتا ہوں۔ ان کے صحیح النسب سادات ہونے کی تصدیق میں ہزارہا کتب موجود ہیں جن کا حوالہ آگے دیا جائیگا۔

میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ اور ترک دنیا

وجہ ثانی

دنیا و مافیہا کے ترک کرنے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جب یہ ٹھہر چکا ہے کہ لاخیر فی شیئ من الدنیا الا فی الحزوف عنها تو اس کے چھوڑ دینے ہی میں مزے ہیں نہ کہ اس سے تعلق رکھنے میں۔

دنیا داروں کے ظاہری و زبانی خوف خدا پر تاسف۔

دنیا و اہل دنیا کے تذکرہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر سوال کیجیئے کہ دنیا بہتر ہے یا آخرت تو کہنے کو یہی کہینگے کہ آخرت بہتر ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ اگر کسی کے چار پیسے

جلتے رہیں تو اس وقت اسے دیکھیئے کہ کس قدر ملال ہوتا ہے۔ غایت اندوہ سے یہاں تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے کہ آنکھیں گر جاتی ہیں چہرہ سست ہو جاتا ہے انگڑائی لینے لگ جاتے ہیں اپنے چار پیسے کیخاطر سید کو جمعہ کا سید کہدینے میں ذرہ تامل نہیں کرتے۔ ان چار پیسوں کے مقابل میں اگر فرضی نماز جاتی رہے تو چیں بر ابرو قدر نہیں ہوتے۔ سائل کو مخاطب کر کے گوناگون نکتہ چینیوں کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ اس طرح دنیا دار اپنے چند پیسوں کے جانے کی خاطر اپنے ایمان کو ضعف پہنچاتے ہیں اور سائل کو علیحدہ رنجیدہ خاطر کر دیتے ہیں۔ اب اگر غور کیا جائے کہ سائل کو کس نے رنجیدہ خاطر کر دیا اور دنیا دار کو کس نے ایمان کے ایک زینہ سے گرا دیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال کا قصور ہے لہذا پیشہ سائلی کو ہی ترک کرنا بہتر ہے اور اسی بنا پر میر سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد کو سید کہنے سے منع فرمایا۔ جس کا مطلب سوال سے منع فرمانے کا ہے نہ کہ نسل سادات سے انکار کرنے کا۔ اور اس مطلب کو قوم نے نہ سمجھ کر اپنے نسل کی اظہارگی سے کبھی پہلو تہی کی جسکی وجہ سے آج کل بھی بے خبر لوگ مشوانیوں وغیرہ کو افغان کہتے ہیں۔ اگر مشوانی وغیرہ افغان ہوتے تو ہمیں فخر ہوتا کیونکہ آجکل کے مسلمان جو تواضع سید کی کیا کرتے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے لہذا اگر دنیا کی آبرو مطلب ہوتی تو افغان ہی بہتر تھے۔ ایک مسلمان کے پاس اگر ایک شاعر یا قوال یا میراسی جائے اور اس کے مقابل میں ایک عالم فاضل سید جائے در حقیقت دونوں سائل ہی ہوں تو ہر ایک انصاف پسند کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ میراسی کی عزت زیادہ کیجائیگی اور نذرانہ جیب بھی عطا کیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں دوسری محفل میں اس کی ہتک نہ کرے اور سید کا واسطہ اگر خدائی محفل سے ہو تو بھی اسے نظر انداز کر دیا جائیگا۔ مگر افسوس ہے کہ نسل تبدیل کرنا گویا مذہب تبدیل کرنا ہے جس سے انسان ایمان کے مینارے سے گر جاتا ہے اس لئے مجبوراً نسل کا اظہار کیا جاتا ہے تاکہ غلط فہمی

دور ہو جائے ۔ جو صاحبان اہل بصیرت ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ آجکل بارہ ہزار [۱۲۰۰۰] مردم شماری
صرف مشوانیوں کی ہے جو صرف کوہ گنگر بمقام سری کوٹ ضلع ہزارہ میں آباد ہیں۔ آج
تک ہر قسم اس اسلحہ سے جو سلطنت برطانیہ میں ممنوع ہے مسلح ہیں حسن ابدال سے لیکر
تربیلہ تک مین درمیان علاقہ چھچھ و علاقہ ہری پور متصل دریائے اباسندھ علاقہ یوسف
زئی کے سامنے کوہ گنگر پر قابض ہیں۔ یہ قوم مشوانی اعلیٰ حیثیت کی قوم ہے ان کو سرکار
برطانیہ سے جاگیریں وغیرہ خطابات میسر ہیں۔ اس کوہ گنگر کے علاوہ میدان ہزارہ میں
ان کی ملکیت زمینیں ہیں اور علاقہ یوسف زئی میں بھی ان کی کافی ملکیت زمینیں
موجود ہیں جن میں حاجی سید رسول شاہ صاحب سرکوٹی کثیر حصہ کے مالک ہیں۔ شاہان
مغلیہ ان کی بہادری کے مداح رہے۔ جرنیل سردار ہری سنگھ نلوہ جو سکھوں کا ایک
مشہور و معروف جرنیل تھا جس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب فخر کیا کرتے تھے اس جرنیل
کی نسبت رگھو بیر دیا مصنف تواریخ سردار ہری سنگھ نلوہ صفحہ ۱۱۶ پر یوں رقمطراز ہے:

سردار ہری سنگھ کے اوضاع و اطوار

"سردار ہری سنگھ کا قد میانہ رنگ سیاہی مائل گندمی تھا ناک پتلی اور لمبی تھی۔
آنکھیں متوسط پیشانی ابھری ہوئی فراخ تھی داڑھی سیدھی اور چہرے پر رعب تھا۔
بہادری اور دلیری اس کی ضرب المثل ہے۔ ساری عمر اس کی پٹھانوں سے معرکہ آرائی میں
گذری اور ہمیشہ ان کو دغا باز اور بزدل کہتا تھا۔ نڈر ایسا تھا کہ میدان میں اپنی زندگی
کی کچھ پرواہ نہیں کرتا تھا سپاہی اس کو اور وہ سپاہیوں کو جان سے عزیز رکھتا تھا
وہ فتح نصیب اور سکندر طالع تھا سوائے کوہ گنگر یعنی مشوانیوں کی لڑائی کے اس نے
کبھی شکست نہیں کھائی"

اب آپ کو ایک ہندو مصنف کی قلم سے بھی مشوانیوں کے بہادری کا ثبوت ملگیا
خود برطانیہ ان کی بہادری کی مداح ہے۔ یہ ان کی بہادری وغیرہ حمیدہ اوصاف تمام

سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کا نتیجہ ہے ورنہ یہ نام یہ ملک ان کو کبھی نصیب
نہ ہوتا اگر یہ سائلی کا پیشہ اختیار کر دیتے جیسا کہ آجکل بعض نادان سید اپنی ساداتی عہدہ
سے ایک ناجائز کمائی پیدا کرتے ہیں جس سے میر سید محمد گیسو دراز صاحب منع فرما گئے۔

میر سید محمد گیسو دراز صاحب

فرما گئے کہ مال دینے والے کو لینے والے پر فضیلت ہوتی ہے اس لئے سید کو مال
کے لینے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

اب صاحبان علم بصیرت سمجھ گئے ہوں گے کہ ایسی بہادر قوم کو کیا ضرورت
پڑ گئی جو افغانوں سے سید بنتے ہیں جبکہ دنیا میں ایک نامور قوم ہے۔ اگر یہ عزت
دنیاوی کے لئے سید بنتے ہیں تو درست نہیں کیونکہ دنیا میں ان کی دنیاوی عزت
تمام اقوام سے زیادہ ہے۔ اگر سائل بننا چاہتے ہیں تو بھی غلط کیونکہ میر سید محمد گیسو
دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پیشہ سے صریحاً منع فرما گئے۔ نیز خود یہ قوم صاحب
جائیداد ہے۔

لہذا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اصلیت ظاہر کیجائے کہ یہ قوم در اصل
سید ہے مگر اپنے آپ کو سید نہیں کہتے یعنی یہ قوم اس بزرگ نام کو ذلیل پیشہ میں
بدنام کرنا نہیں چاہتی۔ از روئے کتب ہائے مندرجہ ذیل۔

تصدیق سادات قوم مشوانی کے جد امجد سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کا حوالہ از کتب تواریخی مفصلہ ذیل ہے:-

(۱) خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ فارسی
(۲) سراج التواریخ فارسی
(۳) تواریخ فرشتہ حصہ اول و حصہ دوم اردو
(۴) تواریخ افاغنہ ۱ و ۲ اردو

(۵) تواریخ فرشتہ جلد اول و دوم فارسی

(۶) مخزنِ افغانی اُردو

(۷) حیاتِ افغانی اُردو

(۸) صولت افغانی اُردو

(۹) خورشید جہان فارسی

(۱۰) ہزارہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر انگریزی سنہ ۱۹۰۷ء

(۱۱) بلوچستان کوئٹہ پشین گزیٹیر انگریزی سنہ ۱۹۰۷ء

(۱۲) پروموشن آف لرننگ اِن محمڈن پریڈ انگریزی

(۱۳) تاریخ فیروزشاہی یا بہمن نامہ فارسی از شیخ آذر خراسانی

(۱۴) مجزابو اصلین فارسی

(۱۵) تذکرۃ الکاملین فارسی

(۱۶) تاریخ عبید ولی

(۱۷) تذکرۃ العاشقین

(۱۸) اخبار الاخیار

(۱۹) سفینۃ الاولیاء

لاولیاء

رمن

(۲۶) سیر المشائخ

(۲۷) اخبار الاولیاء

(۲۸) معارج الولایت

(۲۹) اسرار الاصفیاء

(۳۰) مرأۃ الاسرار

(۳۱) مرأۃ العالم

(۳۲) سواطع الانوار

(۳۳) تذکرۃ الاصفیاء

(۳۴) دار المعارف

(۳۵) کتاب رضوانی

(۳۶) روضہ اسلام

(۳۷) تذکرہ غوثیہ

(۳۸) تذکرۂ شجرہ چشتیہ

(۳۹) تاریخ طبری

(۴۰) نادر المعراج

(۴۱) نفحات الانس

(۴۲) تزک جہانگیری

(۴۳) لوکل گورنمنٹ بحوالہ دفعہ (۱۵) ایکٹ ۲۳ سال سنہ ۱۸۷۱ء شجرہ نسب سادات قوم مشوانی

(۴۴) تذکرۃ الاولیاء

(۴۵) حالات دلگداز سوانح بندہ نواز

(۴۶) تاریخ محمدیہ

(۴۷) تبصرۃ الخوارقات

(۴۸) جوامع الکلم

(۴۹) سیر محمدی

(۵۰) تاریخ جدولیہ

اگر میں تمام کتب کا حوالہ لکھوں تو اس کے لئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہوگی لہذا یکمشت نمونہ خروارے برائے ملاحظہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش ہے کیا اتنی کتب جن کی ہزارہا جلدیں شائع شدہ ہیں سے بھی کوئی صاحب عقل مشوانیوں کے سادات ہونے میں شک کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اختصار کے طور پر صرف قوم مشوانی کو مخاطب کیا گیا۔ اور ورد گ، مستوریانی، دہنی کو کسی آئندہ بحث کے لئے نظرانداز کیا گیا۔

آبادی قوم مشوانیان کوہ گنگر

(۱) بمقام سری کوٹ تحصیل ہری پور ضلع ہزارہ مردم شماری تخمیناً بارہ ہزار (۱۲۰۰۰)

بانڈہ جات سریکوٹ:۔

گنی۔ دوڑہا۔ دمڑاہا عثمان مالڑین۔ وڑدے کے درہ۔ لوپر درہ۔ چونترے۔ شنے۔ ہلکہ چونترے۔ گڑانگ۔ باغونہ۔ سیرے۔ بیلہا۔ چونترو۔ نورو خاک۔ شے بٹے۔ چنار کوٹ۔ سنگر۔ وڑدے کے سنگر۔ نیم۔ پیپل۔ کھپلو۔ کنڈرو۔ میرہ۔ عبدربکا سرائے۔ تنگے۔ باسوؤ۔ نارگاہ۔ کھیرو چ۔ کرہ۔ کنڈاؤنہ۔ سمبل۔ بوکتیر۔ وڑدکے بوکتیر پلوسوسر۔ تاترو۔ کوٹکے۔ وڑدے کوٹکے۔ شکنرو غار۔ چیاراؤ کورونہ۔ شیر شاہ کور۔ میداؤ۔ ٹانگدرہ۔ رام درہ۔ بکرو۔ شوہ ڈھنڈ۔ بوٹیگرام

وڑدے کے شتالو۔ ڈمبرو۔ سوپلے۔ پورے سوپلے۔ پورے گڑانگ۔ ماہولی کورونہ غازی پٹے۔ ڈیکئے سر۔ پھلواڑئے۔ اسکو سانگوٹ بھی کہتے ہیں۔

آبادی دوم:۔

گنڈی۔ امرخانہ یہ دو بڑے گاؤں ہیں ان کے بانڈہ جات یہ ہیں:۔

گھڑئے میرہ۔ صوبڑاؤ۔ شیرول کنڈاؤ۔ بازے سر۔ جولاگا کورونہ۔ فیروز بانڈہ خودڑکورونہ۔

قوم مشوانی جو یوسف زئی میں آباد ہے

بمقام اسمٰعیلہ ایک کثیر گروہ اعلیٰ خاندان آباد ہے جو گورنمنٹ برطانیہ سے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ قطہ کلان میں وہاں جاکر مقیم ہوئے۔ مرغز اور یار حسین کے قریب ایک گاؤں ہیں۔ شوہ۔ تو تالئے۔ علاقہ مردان و کاٹلنگ میں بھی آباد ہیں۔

ممالکِ غیر وافغانستان میں قوم مشوانیونکی آبادی

(۱) وادی شرردد در مضافات قلات آبادی تخمیناً تین ہزار جو کابل وقندہار کے درمیان ہے۔

(۲) خاص شہر قندہار

(۳) موضع کاسی در مضافات کوئٹہ ۶۰ گھر تخمیناً۔

(۴) علاقہ رم سیر یا گرم سیل بجانب غرب از قندہار آبادی ۶۰ گھر۔

(۵) سنگ حصار در مضافات قصبۂ قندہار۔

(۶) مندنجی نزد لاڑکانہ جنکشن تخمیناً اسی گھر

(۷) علاقہ فرابہ جانب غربی شمال از سیستان ڈیڑھ صد گھر

(۸) شہر ہرات میں دس گھر

(۹) کوہ دامان بجانب شمال از کابل تخمیناً پانصد گھر

(۱۰) کوہ کشتقر در مضافات تخت سلیمان تقریباً یکصد گھر

(۱۱) ضلع ڈیرہ اسمٰعیلخان میں بھی اور علاقہ خوست و وزیرستان میں چند گھر موجود ہیں

وجہ دوم

قوم مشوانی اپنے آپ کو سید کیوں نہیں کہتے اور افغانوں پر مشہور ہیں

واضح ہو کہ جب مشوانی تولد ہوا تو ابھی ننھا بچہ ہی تھا کہ میر سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ذوق و وجد ہوا اور عازم سفر ہندوستان ہوئے وہاں جاکر بمزار فیض آثار خواجہ معین الدین ابوالحسن سنجری بمقام اجمیر شریف زیارت بابرکت میں مقیم ہوئے۔ اُن کی عیال مجبوراً اپنے ننھے ننھے بچوں کو لے کر اپنے اپنے والدین کے گھروں میں چلی گئیں۔ جب یہ بچے سن بلوغت کو پہنچے تو ان کی شادیاں افغان عورتوں سے کرائی گئیں چونکہ اُس وقت نہ تو اُن کا کوئی والی تھا اور نہ ہی وہاں کوئی سید گھرانہ جن سے عقد کی التجا کیجاتی لہذا مجبوراً افغان عورتوں ہی سے شادیاں کیگئیں۔ اُن کے ننانے تو پہلے ہی سے افغان تھے اور اب سسرال بھی افغان ہی ہوئے اس لئے اب سید اور اُمتی کا سوال ہی باقی نہ رہا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

والی مثال مصداق ہوئی۔

اب ان کی بود و باش۔ لباس۔ زبان۔ خوراک۔ رسم و رواج میں سب ان کے ہمجنس ہوئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سید کہنا غیر موزوں سمجھا۔ کیونکہ ان کی تمام ریاں لین دین انہی سے ہوئیں مگر وہ افغان طبقہ انہی کو اصلی سید تسلیم کیا کرتا تھا

کیونکہ ان کی بہادری۔ لڑائی میں سب سے پہلے جانا۔ ملکی معاملات میں حصہ لینا۔ زمینوں کا کاشت کرنا اور اپنے پسینہ سے کمائے ہوئے رزق سے خود بھی کھانا اور مہمانوں اور غرباؤں کو بھی دینا ہی اصل سادات کی نشانی ہے۔ مگر بیرونی علاقہ کے لوگ ان کو افغان سید ہی تصور کیا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ افغان مشہور ہوئے۔ کیونکہ ان کے عادات و اطوار تمام طریقے افغانوں کے ہی تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سیدوں کا کام سائلی ہے جو وہ اپنی نادانی سے سید کی اصلیت سے ناواقف تھے اور ان کو سید کہنا ہی غلط سمجھتے تھے کیونکہ یہ ان کے ہمجنس تھے اس لئے ایک فرقہ ایسے سید کو سید کہتا تھا جو خود کمائے اور لوگوں کو کھلائے سو ایسے ہی سید مشوانی تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ہر ایک کام میں مخالف و موافق پارٹیاں بنجایا کرتی ہیں۔

تمثیل

حضرات شیعہ میں مثال ہے کہ "لکڑی کی دُھنی نہیں اور سید سُنی نہیں" اس کے مقابل میں حضرات سُنیوں کی مثال ہے "چه سيد به سُني نهٔ وي چه سُني وي ثاني به يې نهٔ وي"۔ یعنے سید سُنی نہو گا اور اگر ہو گا تو لاثانی ہو گا۔

الغرض اسیطرح اُس وقت بھی دو پارٹیاں تھیں ایک موافق جو مشوانیوں ہی کو اصل سید قرار دیتی تھی ایک پارٹی ایسے سید کی بجائے سائل سید کو ترجیح دیا کرتی تھی۔ چونکہ مشوانیوں کے کل کارہائے دنیاوی افغانوں کے مُشابہ تھے اس لئے افغان مشہور ہوئے جو در اصل سید حُسینی ہیں۔

فضائل سادات

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری قرابت کے لوگوں کو اذیت اور رنجوری اس نے مجھکو ایذا دی اور جس نے مجھکو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی

دوسری روایت میں ہے کہ قسم ہے اُس اللہ جل شانہ کی جس کے ید قدرت میں میری جان ہے کہ مسلمان بندہ کا ایمان تب پورا ہوگا جب مجھکو پیارا جانے اور میرے اوپر محبت کرے اور میرے اوپر محبت تب پوری ہوگی جب میری قرابت اور خویشوں کو محبوب جانے

پس اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور اہل بیت کے نفس پاک کو اپنے نفس پاک کا قائمقام سمجھا۔

ف :۔ اصحاب کسا یا اہل کسا یعنے کملی والے حضرات یہی پانچ مشہور ہیں۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت سیدنا علی، امام حسن، امام حسین و سیدۃ النساء بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور یہی اصحاب مباہلہ بھی تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ کہدو اے محمد کافروں سے کہ آؤ تاکہ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تم بھی بلاؤ اپنی اولاد کو اور پھر بددعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کاذبوں پر لعنت کرے یعنے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ تم بھی ظالموں کے حق میں بددعا کرو اپنی اولاد کو لیکر اور میں بھی بددعا کرونگا اپنی اولاد کو لے کر پس جو کوئی ہم دو فریق میں سے اپنے دعوے میں کاذب اور ظالم ہوگا اسپر اللہ تعالیٰ کا قہر اور لعنت پڑے گی پس اُس وقت یہی پانچ حضرات مباہلہ یعنے باہم ایک دوسرے کے حق میں بددُعا کے لئے نکلے تھے۔

پہلی آیت۔ قرآن مجید۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ حضرت کعب بن عجرہ سے یہ روایت صحیح وارد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام دینا تو معلوم ہوچکا مگر آپ پر درود کیسے پڑھیں حضرت نے فرمایا کہ کہا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اخیر تک۔ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ہم نے کہا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم درود کیسے بھیجیں آپ پر اور اہل بیت پر تو فرمایا کہ کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اخیر تک۔

پس بعد نزول آیت کے لوگوں کا سوال کرنا اہل بیت پر درود کی کیفیت کا اور حضرت کا فرمانا وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کا صاف بتا رہا ہے کہ اس آیت شریف میں درود و سلام بھیجنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و اہل بیت دونو پر مراد ہے۔ ورنہ اہل بیت پر درود پڑھنے کا سوال ہی نہ کرتے تو معلوم ہوا کہ اہل بیت پر درود شریف پڑھنے کا حکم بھی آیت کریمہ میں وارد ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے نفس مبارک کے ساتھ ملایا ہے۔

.... اور چونکہ درود شریف کے پڑھنے سے زیادتی تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے   س سے اہل بیت کی تعظیم بھی وابستہ ہے۔

جبکہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حضرات کو کمبل کے نیچے داخل کیا تو عرض کی اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ فَاجْعَلْ صَلَاتَکَ وَرَحْمَتَکَ وَمَغْفِرَتَکَ وَرِضْوَانَکَ عَلَیَّ وَعَلَیْھِمْ۔

ترجمہ اے میرے اللہ یہ اہل بیت کملی والے مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں پس کردے رحمت اپنی اور مغفرت و رضا اپنی میرے اوپر اور اُن پر تو اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل بھی داخل ہوئی۔ اسی واسطے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اوپر درود کٹا ہوا دُم بریدہ نہ بھیجو لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ دُم بریدہ درود کیسے تو فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہکر رُک جانا اور عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ نہ کہنا۔ بلکہ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بھی کہا کرو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ درود شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت پر فرض ہے یا واجب یا سنت ہے؟ تفصیل بحث طلب ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ عمر بھر میں ایک بار ہر مسلمان پر فرض ہے اور التحیات میں سُنت اور کسی مجلس میں حضرت کا ذکر آئے تو اول بار فرض ہے۔ بعض کے نزدیک اور اکثر کے نزدیک

واجب ہے۔ باقی دفعات میں سُنت یا مستحب ہے علی اختلاف الاقوال۔ ہمارے مذہب حنفی کے فقہا چنانچہ شامی وغیرہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ ہر دعا کے اول و وسط و آخر میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ دیلمی میں مرقوم ہے کہ سوائے درود شریف کے دعا موقوف رہتی ہے۔ درود شریف جن مقامات میں مستحب ہے وہ چالیس مقام ہیں جو کہ شامی سے نقل کیا گیا ہے

مستحب دان درود یوم السبت روز جمعہ شبش احد ہم دان
ہم خمیس و صباح و شام شدہ چون بمسجد درآئی و بیرون ازآن
نزد قبر نبی و مروہ صفا خطبۂ جمعہ پس دعاے اذان
در دُعا وسط و اول و آخر قبل اقامت پس از قنوت بدان
بعد لبیک و نزد جمع و فراق نزد وضو طنین گوش بخوان
نزد نسیان و وعظ و نشر علوم ابتداء حدیث و آخر آن
نزد تحریر سوال و فتوی شد ہم مُصنف وگر مدرس دان
تزوج مزوج و خاطب ہم خطب و امور مشکل دان
نزد ذکر و سماع نامِ رسول ہست مکروہ بحاجتِ انسان
شہرتِ بیع و ہم جماع و عطاس ذبح و عثرت تعجب است چنان
نثر گفتہ مصنفِ شامی یافت قاضی ز نظم اجرِ کلان

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب میں نماز کے اندر واجب ہے۔ ان کے فرمودہ شعر ملاحظہ ہوں:۔

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمُ فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ
كَفَاكُمُ مِّنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمُ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

ترجمہ:۔ اے اہل بیت تمکو اسی قدر درجہ عظیم کافی ہے کہ جو کوئی درود نہ پڑھے

تمہارے اوپر اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

دوسری آیتِ قرآن مجید

سَلَامٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ "سلام ہووے آل یٰسین پر" علماء مفسرین صاحبان کی ایک جماعت۔ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مراد اِلْ یٰسِین سے آلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور ایسا ہی کلبی نے کہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یٰسین اور طٰہٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صفتی نام ہیں جیسا کہ کتاب بوستان میں ہے

ترا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پانچ چیزوں میں برابر ہیں:۔

ایک تو سلام میں کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرماتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یعنے تیرے اوپر سلام ہووے اے میرے نبی اور میری رحمت اور برکات، ویسا ہی اہل بیت کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَلَامٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ یعنے سلام ہووے آل یٰسین پر یعنے آلِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر۔

دوسرا درود میں بھی برابر ہیں جیسا نماز میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ پڑھا جاتا ہے۔

تیسرا برابر ہیں طہارت میں اور پاکی میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق طٰہٰ یعنے اے طاہر و پاک اسی طرح اہل بیت کے حق میں فرمایا ہے وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

چوتھا جیسا کہ صدقہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں حرام ہے۔ اسی طرح اہل بیت پر حرام ہے۔

پانچواں۔ برابری محبت میں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ترجمہ۔ کہدو اے محمد امت کے لوگوں سے کہ اگر تم محبت کرو اللہ تعالیٰ سے تو تم میری تابعداری کرو اللہ تعالیٰ محبت کرے گا تمہارے اوپر۔ اور اہل بیت کے بارہ میں بھی فرمایا ہے قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ ترجمہ:۔ کہدے اے محمد صاحب امت سے کہ میں تم سے دین و اسلام کے پہنچانے کا بدلہ کوئی مزدوری نہیں مانگتا مگر محبت میرے قرابتوں اور خویشوں کے حق میں چونکہ میں نے تمکو دین و اسلام پہنچا کر گمراہی کے ظلمات سے نکالا اس کا بدلہ یہ ہے کہ تم میری اولاد اور میرے خویشوں سے محبت رکھو۔

تیسری آیت قرآن مجید

باری تعالیٰ کا قول وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ترجمہ اور کھڑا کر دو اُن کو تحقیق یہ لوگ سوال کئے جائینگے۔ دیلمی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کیا جائے گا لوگوں سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی دوستی کا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ لوگوں سے آپ کہدیویں کہ میں دین و شریعت کی تبلیغ کے بدلے میں تمسے کچھ نہیں لیتا مگر یہ کہ تم لوگ میری اہل بیت اور قبیلہ کے لوگوں سے دوستی رکھو۔ اسی ضمن میں امت کے لوگوں سے سوال کیا جائے گا کہ آیا تمنے اہل بیت سے دوستی کماحقہ رکھی ہے؟ جیسا کہ تمہارے رسول برحق نے تمکو وصیت کی تھی یا تم نے حق دوستی کو ضائع اور برباد کر دیا۔ پس اُن لوگوں سے اس حکم کی تعمیل اور عدم تعمیل کا مطالبہ کیا جائیگا۔

نعوذ باللہ من بغض الرسول و بغض النبی و عداوۃ اہل البیت

حدیث بیان کی ہے ابن سعد اور منلا نے اپنی سیرت میں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ سے وصیت قبول کرو اس بات کی کہ میری اہل بیت میں نیکی اور احسان اور بھلائی کرتے رہنا کیونکہ کل روز قیامت میں ان کی طرف سے تم لوگوں سے جھگڑا کروں گا جس سے میرا نزع ہوا وہ میرا دشمن ہو جائیگا وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔ غدیر خم کے روز جو کہ ایک پانی ہے جحفہ مقام میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کی تعظیم و تکریم میں بہت تاکید فرمائی ہے۔

چوتھی آیت قرآن مجید

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ترجمہ:۔ تم سب لوگ پنجہ مارو ساتھ رسی اللہ کے اور باہم جُدا جُدا امت ہو۔ یعنی کُل اسلام لاؤ اور باہم محبت کرو مگر یہ مطلب نہیں کہ فاسق ملعون اور بدعتی سے بھی محبت رکھی جائے۔ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اہل بیت بھی اللہ کی رسی ہیں جس کے مضبوط پکڑنے کا لوگوں کو حکم ہوا ہے۔ حضرت امام زین العابدین نے جو اُن کے جدامجد ہیں جبکہ یہ آیت پڑھی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ یعنے اے ایمان والو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور ہو جاؤ تم ساتھ سچ والے لوگوں کے۔ تو لمبی دعا کی کہ یا اللہ ہمکو صادقین سے ملا دے اور ان کے درجات نصیب فرما۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سبکو اسلام پر متفق ہونے کا امر فرماتا ہے اور متفرق ہونے سے منع فرماتا ہے۔ مگر لوگ دین کے امور اور قرآن مجید کے معانی میں اپنی رائے کو دخل دینے لگے اور بعد اس کے بھی تفرقہ ہونے والا ہے۔ تمکو میں بتاتا ہوں کہ وہ لوگ جو شریعت کے چراغ اور دین محمدی کے تتمہ ہیں جن سے دین و اسلام کی سند لائی جائے وہ درخت مبارک کی شاخیں ہیں جن کی نسبت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری مثال ایک درخت کا ہے جس کا بیج یا مُنڈ بہشت میں ہے اور شاخیں دنیا میں۔ بیج سے اشارہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی طرف ہے۔ اور شاخیں اہل بیت ہیں جو دنیا میں ہیں۔ اہل بیت وہ صاف پاک لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے شرک اور گناہوں کی پلیدی کو دور کر کے پاک کر دیا ہے۔ جیسا خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

پانچویں آیت قرآن مجید

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ مطلب۔ کیا جلتی کرتے ہیں یہ کفار اور منافق ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنے فضل سے عنایت کی ہیں

روایت کی ہے ابو الحسن مغازلی نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں لفظ الناس جس کے معنے لوگ ہیں وہ ہم اہل بیت ہی ہیں۔ مجھکو قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یعنی امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلفیہ فرمایا کہ اس میں مراد ہم ہی اہل بیت ہیں۔

چھیویں آیت قرآن مجید

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں کرتا جس حال میں کہ اے میرے دوست آپ اُن میں موجود ہوں۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے اشارہ اپنی اہل بیت کی طرف نکالا ہے۔ پس ضمیر اَنْتَ سے مراد وجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور وجود اہل بیت ہے۔ کیونکہ وجود ان کی اہل زمین کے لئے امان ہیں جیسے کہ وجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود اہل ارض کے لئے امان ہے۔ اس میں بہت احادیث وارد ہیں

ایک روایت میں ہے اھل بیتی امان لاھل الارض فاذا ھلك اھل بیتی جاء اھل الارض من الآیات ما کانوا یوعدون۔ یعنے میرے اہل بیت زمین کے باشندوں کے لئے باعث امن ہیں جب اہل بیت ہلاک ہوں گے تو زمین کے

لوگوں پر عذاب مقرر شدہ اُتر پڑیں گے۔

ساتویں آیت قرآن مجید

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اھْتَدٰی۔ ترجمہ:- اور میں بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل نیک کیا پھر ہدایت پائی اور راستہ لے لیا۔

ثابت بنانی فرماتا ہے کہ راستہ سے مراد اہل بیت کی محبت کا رستہ ہے اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر آچکی ہے۔

دیلمی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فاطمہ کو فاطمہ اس واسطے کہا گیا کہ فاطمہ اور اس کے محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے کاٹ دیا۔ اور جدا کر دیا ہے۔ لفظ فاطمہ کے معنے ہی جدا ہونے والی کی ہیں جیسا کہ بچہ دودھ سے جدا کیا جاتا ہے اسیواسطے اُس کو فطیم کہتے ہیں۔

اور روایت کی ہے امام احمد نے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؑ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس نے میری اور ان دونوں کی اور ان کے باپ اور ماں کی محبت کی تو وہ میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا بروز قیامت ترمذی میں ہے وَقَالَ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ معیت وقرب شہود ہوگی نہ معیت مکان ومنزل کی۔

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں کہ خبر دی ہے مجھکو رسول اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں اول میں داخل ہونگا اور فاطمہ اور حسن وحسین۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے دوست اور محبت کرنے والے کب داخل ہوں گے؟ فرمایا کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے داخل ہوں گے۔

فائدہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کی اولاد اس کی پشت سے ہوئی ہے اور میری اولاد علی کی پشت سے ہے۔ روایت کی ہے ابو الخیر حاکمی نے اور صاحب کنز المطالب نے (دیکھو کتاب جمع عبارات در فضائل حضرات سادات صفحہ ۲۷)

اب اگر منصف المزاج حضرات غور فرمائیں تو وہ اپنے ذہن سے خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ واقعی جس افضل قوم کی فضیلت اور بزرگی کا اللہ جل شانہ و رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید خود گواہ ہوں تو اُن کو سوال جیسا ذلیل پیشہ اختیار کرنا چاہیئے؟ جو خاندان سادات کے شانِ جلالی پر بدنما داغ لگانا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

پھر اب ماننا پڑیگا کہ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی اولاد کو استعمال لفظ سادات سے منع فرمایا واقعی درست ہے جس کا مطلب سائلی سے ممانعت کا ہے نہ کہ نسل سادات سے انکار کا۔ فہمیدہ حضرات خود سمجھ سکتے ہیں کہ کتنے امتی ہوں گے جو آیاتِ بالا اور احادیث گذشتہ کی پیروی حکم کرتے ہوئے سادات کی تعظیم کرتے ہوں گے۔ میرے خیال میں صفر در صفر فیصدی۔ تو پھر ایسے عقائد رکھنے والوں کے سامنے لفظ سادات ظاہر کرنا ہی بے سود ہوا اور یہی وجہ میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی مدنظر تھی۔

خوشامد اور مدح سرائی

جب سائل کسی سے سوال کرنے جاتا ہے تو قبل از ظہور مطلب خود کی بیجا خوشامد اور مدح سرائی میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ بعد ازاں مطلب نمائی کرتا ہے حالانکہ اللہ جل شانہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ

مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ترجمہ جو لوگ اپنے کئے پر پھول جاتے ہیں اور بن کئے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو ہرگز نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے (آل عمران)

حدیث شریف:۔ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ

ترجمہ:۔ حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم خوشامدی تعریف کرنے والوں کو دیکھو اُن کے منہ میں مٹی ڈالو۔ (مسلم باب النہی عن المدح)

خوشامد اور مدح سرائی مبالغہ آمیزی ایک نہایت ہی ذلیل حرکت ہے جس شخص کو خوشامد اور مداحی کی عادت پڑ جائے وہ تمام مردانہ اوصاف سے محروم ہو جاتا ہے اور ذلت کی زندگی کو اپنے لئے موجب فلاح و برکت سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جوان مردی کا یہ تقاضا ہرگز نہیں کہ آدمی دوسروں کی گیت گائے اور تھوڑے سے صلے کی امید میں ممدوح کی تعریف میں اتنا جھوٹ اور سچ ملا دے کہ ممدوح کو بھی شکر شرم آجائے اور۔ اور ہر ایک سائل قبل از سوال ضرور اس دیباچہ کو پڑھنا شروع کر دیتا ہے جو صریحاً خلاف حکم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ اگر سید کسی محفل میں جاتا تو لوگ اس کی مدح سرائی کرتے جس کے حق میں خود اللہ و رسول اور قرآن مجید مداح ہیں۔ مگر معاملہ برعکس ہے بلکہ محفل والے تو سید کو ایک ذلیل سائل سے زیادہ وقعت ہی نہیں دیتے اور وہ خود منتظر ہوتے ہیں کہ کس وقت سید میری تعریف میں زبان کشائی فرماتے ہیں کیونکہ ہم اوصاف سے موصوف ہوں۔ سو میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے حرکات سے ممانعت فرمائی اور اہل امت کے عقائد سے خوب واقف تھے اس لئے اپنی اولاد کو ہدایت فرمائی کہ کسیکو بطریق سائلی لفظ سادات کا استعمال نہ کرو یعنے اظہار نہ کرو کیوں کہ اسمیں

شانِ خاندانِ سادات کی سُبکی ہے۔

حرص، صبر اور توکل

آیت قرآن مجید:- وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥

ترجمہ:- اور چاہیئے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ پر توکل کریں (آل عمران)

توکل پیشہ را روزی بدستِ خویش می باشد
مکد انگشت کودک چون نہ بیند شیر پستان را

حدیث شریف:- عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَّاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استغنا کرے اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے اور جو شخص صبر کی توفیق چاہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا کرتا ہے اور صبر سے بہتر اور فراخ تر نعمت انسان کو نہیں دیگئی ؎

اے قناعت تو نگرم گردان
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

دیکھو کتاب خُلقِ عظیم مؤلفہ میر ولی اللہ صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد صفحہ ۱۳۸ - ۱۳۹ ؎

مردِ حریص گرچہ عالم بدو دہی   حرصش بسوئے عالم دیگر کشد عنان
چون بنگرد نصیبۂ او زین جہان اینست   بہر تنش گلیمے و بہر شکم دو نان

اسی مضمون پر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

نیم نانے گر خورد مردِ خدا   بذلِ درویشان کند نیمے دگر
ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ   ہمچنان در بند اقلیم دگر

شیخ صاحب نے اس حدیث کے دوسرے جزو کو گویا ترجمہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور   بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشمِ تنگ دنیادار را   یا قناعت پُر کند یا خاک گور

کیا کوئی سائل آیات اور احادیث بالا کی پیروی کرتا ہے ہرگز نہیں تو سائل کی اس حکم اللہ و رسول سے روگردانی ہی باعث ذلت ہوئی۔

دریوزہ گری

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ترجمہ:- وہ لوگوں سے اصرار و ابرام سے سوال نہیں کرتے (آل عمران) ؎

چون صدف بدریزہ دہن باز کند
گرچہ در آبِ گہر غوطہ زند خشک لب است

حدیث شریف:- عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ (بخاری باب الاستعفاف عن المسئلہ)

ترجمہ:- حضرت زبیر بن العوامؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص رسّی لے کر جائے اور اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لائے اور فروخت کرے اور اللہ تعالیٰ اس طرح اس کی آبرو بچائے تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں کے آگے دستِ سوال دراز کرے پھر لوگ چاہیں تو اسے دیں

اور نہ چاہیں تو کچھ نہ دیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّہُ اللُّقْمَۃُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَتَانِ قَالُوْا فَمَا الْمِسْکِیْنُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْ مَاعِنْدَہٗ مَا یُغْنِیْہِ وَلَا یُفْطَنُ لَہٗ فَیُتَصَدَّقَ عَلَیْہِ وَلَایَقُوْمُ فَیَسْاَلُ النَّاسَ

(موطا امام محمد باب فضل المعروف والصدقہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے دروازوں پر پھرتا ہے اور لوگ ایک لقمہ یا دو لقمے ایک کھجور یا دو کھجوریں اسے دیدیتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ پھر مسکین کون ہے آپ نے فرمایا مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہو جو اُسے مانگنے سے بے نیاز کرے اور بوجہ اس کے حیا کے کوئی معلوم نہ کر سکے کہ وہ تنگدست ہے تاکہ اسے صدقہ دے اور وہ اٹھکر لوگوں کے پاس سوال کرنے نہ جائے۔

بُخل و سخا

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا آتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

ترجمہ:۔ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ اس کے ساتھ بُخل کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا ان کے لئے موجب خیر ہے۔ بلکہ ان کیلئے شر کا باعث ہے۔ عنقریب قیامت کے دن جس مال سے وہ بخل کرتے ہیں طوق بنایا جاکر ان کی گردن میں ڈالا جائیگا۔ (آل عمران)

کارِ گرہ گشانہ شود در زمانہ بند ہرگز کسے نہ دید در انگشت شاز بند

مانند گل غنی گرہ کیسہ باز کُن تاچند زر چو غنچہ کنی در خزانہ بند

حدیث شریف:۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ قَطُّ فَقَالَ لَا۔ (بخاری باب حسن الخلق)

ترجمہ:۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے فرمایا ہو کہ نہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰہِ مِنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاھِلُ السَّخِیُّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ (ترمذی باب السخا)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی نزدیک ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے بہشت کے نزدیک ہے لوگوں کے اور دور ہے دوزخ سے اور بخیل دور ہے اللہ تعالیٰ سے دور ہے بہشت سے دور ہے لوگوں سے اور نزدیک ہے دوزخ کے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزیز ہے عابد بخیل سے ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بحکم خبر

اظہارِ حقیقت

میں گذشتہ مضمون میں تصدیق قوم سادات مشوانیان نسل از میر سید محمد گیسودراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اظہار حقیقت کر چکا ہوں۔

اگرچہ خواصوں کو اس حقیقت کی پہلے ہی سے خبر ہے تاہم بعض ناواقفان

اور بے خبر عوام ایسے بھی ہیں جن کو اگر کہا جائے کہ کیا واقعی قوم مشوانی افغان ہیں؟ تو وہ ناعلمی کی وجہ سے سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ لہٰذا مجبوراً اس حقیقت کے آشکارا کرنے کی ضرورت پڑی۔ امید ہے کہ اب ہر خاص و عام کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی نہ ہوگی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ باوجود پچاس کتابوں کی تصدیق کے جن کی لاکھوں تعداد میں جلدیں چھپ گئی ہیں اور انہوں نے قوم مشوانی کے جد امجد حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کو سید صحیح النسب قرار دیا ابھی غلط قرار دیں یا اپنے متعصبانہ خیالات سے روگردانی نہ کریں تو ایسے بزدلوں سے ہمیں منوانے کا کوئی حق نہیں۔ ہمیں محض اصلیت ظاہر کرنا ہے۔ ویسے تو دہریہ خیالات کے آدمی بھی دنیا کے ایک کثیر حصہ میں آباد ہیں جنہیں جبراً ان کے عقائد باطلہ سے ہٹانا جائز نہیں وما علینا الا البلاغ المبین کو ہی کافی سمجھکر اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے حکم کے مانتے ہوئے ہمیں ع جو اچھے بلاں باشد خوشی، پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔ ہاں اگر کوئی کتابوں کی تصدیق سے تردید کریں تو ہم ان کے مشکور ہوں گے جیسا کہ ابتدا میں لکھا جا چکا ہے۔ زبانی واویلا کرنے والوں کے لئے وہی جواب خاموشی ہے۔

فضائل حضرات سادات پر جو مضامین لکھے گئے اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر سید اپنی بزرگی سے واقف ہوکر کوئی فعل سائلی جو خلاف حکم اللہ جل شانہٗ و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہو نہ کرے۔ تاکہ اس کے بد اثرات سے باقی قوم محفوظ رہے۔ اگرچہ حضرات سادات میں ایسی عظیم الشان ہستیاں بھی موجود ہیں جن کی وجود مبارک سے ایک کافی حصہ دنیا کا فیضیاب ہے اور ہوتے رہینگے۔ میرا مطلب اُن سے عرض کرنے کا نہیں بلکہ اُن سے دعا کی التجا ہے۔ میں نے صرف اُن لوگوں سے عرض کرنا ہے جو شریف النسب ہوکر بھی دیدہ دانستہ ذلیل پیشہ سائلی اختیار کر لیتے ہوں اور بوجہ کوتاہ اندیشی اور ناسمجھی کے خود اپنے پاؤں پر

کلہاڑی مار رہے ہوں اور ان کے اعمال کا باقی قوم کو بھی بھگتنا پڑتا ہو۔

خوشامد اور مدح سرائی پر جو بحث کیگئی ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ اگر واقعی کوئی قابل تعریف ہو تو بھی اس کی تعریف نہ کیجائے مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ اپنے غرض میں پھنسکر مبالغہ سے جَو کو گندم اور گندم کو چاول وہے کو پیتل اور پیتل کو چاندی، چاندی کو سونا اور سونے کو پتھر نہ بنایا جائے۔ یہ فعل اگرچہ بظاہر خوش ذائقہ معلوم ہوتا ہے مگر بعد میں اس کے نتائج نہایت ہی تلخ اور مضر نمودار ہوتے ہیں اور اسی میں جانبین کے نقصانات پوشیدہ ہیں۔ فہمیدہ حضرات خود اس کی تشریح میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

حرص، صبر اور توکل سے بھی یہ مطلب نہیں کہ انسان جائز حرص سے بھی باز رہے جو شرعی احکام کے ماتحت ہو بلکہ دنیاوی حرص مراد ہے جس سے سادات جیسے عالیشان قوم کے وقار کو دھبہ لگتا ہو۔

دروزہ گری کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ میری رائے کی پابندی کیجائے بلکہ قال اللہ وقال الرسول کے احکام کی پابندی کیجائے۔ اگرچہ شریعت ایسے سوال کو جائز قرار دیتی ہے جو خاص مصیبت کے وقت میں کیا جائے مثلاً خون بہا کی چٹی پڑ جائے۔ قیدی کو چھڑانے میں۔ مقدمہ کے جرمانہ میں وغیرہ وغیرہ بشرطیکہ طاقت ادائیگی نہو اس میں ہر ایک مصیبت زدہ شامل ہے کیا سید کیا اُمتی۔ مگر بعض ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو خود لاکھوں روپیوں کے تو مالک ہوتے ہیں مگر جبتک ایک مزدور کے پسینہ سے کمائے ہوئے پیسوں سے ایک دوانی ہی کیوں نہو اپنا جیب گرم نہ کر لیں تو اُن کو چین نہیں آتا۔ دراصل یہی زہریلا مرض تمام خاندان سادات کو بدنام کرنے کا باعث ہے اور جبتک متفق طور پر اس کی تمارک نہ کیجائیگی قوم ترقی دنیاوی کے بام پر چڑھنے سے قاصر رہیگی۔

بُخل وسخا بخیل سے وہ بخیل مراد ہے جو نہ کچھ پسند دیتا ہو اور نہ دوسرے کے دیئے ہوئے کو دیکھ سکتا ہو۔ اس کے متعلق شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا مصداق ہے۔ ؎

سخیاں ز اموال برے خورند
بخیلاں غمِ سیم وزرے خورند

جزائے اعمال حسنہ

کے بارہ میں حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جناب امیر المؤمنین حسن علیہ السلام کے موقع علالت پر حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عیادت کے لئے تشریف لاکر حضرت علی علیہ السلام وجنابہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ صحتیابی حسن کے لئے روزہ ہائے سہ روزہ کی نیت کرنی چاہیئے۔ باتباع امر جنابہ فاطمہ وحضرت علی وحضرت حسین ونیز جناب حسن علیہم الصلوۃ والسلام کی طرف کے مع کنیزک کے نیت کرلیگئی۔ جناب جب آپ صحتیاب ہوئے تو ایفائے نیت کے لئے پہلے ہی روز جو روزہ رکھا گیا تو افطاری وغیرہ کیلئے کچھ بھی نہ تھا۔ مجبوراً ضرورت کی نظر سے جناب امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فقط نیم صاع جو قرض لئے۔ پانچ روٹیاں تیار کرائیں ایک ایک تقسیم کرلی۔ چونکہ سائل کے سوال کو رد نکرنا اور خود فقر وفاقہ سے رہنا اُن بزرگواروں کا معمول عمل تھا اسی لئے جواب موقع افطاری پر لقمہ لیتے ہوئے ایک سائل نے آکر سوال کیا کہ اس وقت جو کوئی مسکین کو روٹی کا ٹکڑا دے وہ مستحق رحمت الٰہی ہو تو اُسیوقت حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنی روٹی سائل کو دیدی آپ کے دیتے ہی اوروں نے بھی آپ ہی کی متابعت کی۔ دوسرے روز پھر روزہ رکھا گیا اور وہی صورت پیش آئی۔ تیسرے روزہ کی افطار کے موقعہ پر بھی جب ایسا ہی ہوا

تو چوتھے دن علی الصباح یہ بزرگوار حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بے طاقتی کے آثار نمایان ہونے کے سبب جو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت حال فرمایا تو جناب علی علیہ السلام کی تمام روئداد بیان کرنے پر آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو جبرائیل علیہ السلام اسیوقت یہ حکم لائے ہیں وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔

(من مؤلف) ایک ناجائز طریقہ کے سائل اور ایک دنیا پرست دُنیا دار دونوں کے لئے یہی ایک مثال کافی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اس مثال سے بخوبی عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔

میر سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے جد پاک کے اصولوں کے پابند تھے۔ اور اپنی اولاد کو بھی انہی اصولوں کے ماتحت رہنے کی ہدایت فرمائی مشوانیوں وغیرہ کے لئے تعمیل حکم ضروری تھا۔ لہذا چند نادانوں نے جن کے خیال میں سائل ہی سید کہلانے کا مستحق ہوتا ہے انہیں افغان تصور کرنے لگے۔ حالانکہ یہی گروہ اصلی معنوں میں سید کہلانے کی مستحق ہے اور ہیں بھی۔

ابتلاء مؤمن کی ترقی کا موجب ہوتے ہیں

جہاں غفلت کے سامان ہوں وہاں ضروری ہے کہ جگانے کے سامان بھی ہوں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو بار بار جگاتا رہتا ہے۔ کہیں مالی ابتلاء کہیں عزت وآبرو کی ابتلاء، کہیں عزیز واقارب کی جدائی کی ابتلا لاتا ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے ولنذ یقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر۔ یعنی دنیا کی چیزیں انسان کو ہر لحظ اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے ہم انہیں

پھیرتے رہتے ہیں تاکہ وہ اس خیال سے کہیں عذاب اکبر میں مبتلا نہ ہو جائیں او
ہماری طرف آجائیں اور

زندگی کا اصل مقصد

حاصل کرلیں۔ غرض ابتلاء درحقیقت انسان کے ایمان کی پختگی کا موجب ہوتے
ہیں۔ لیکن یہی ابتلاء بعض کو خدا تعالیٰ سے اور بھی دور پھینک دیتے ہیں۔ با
اوقات ایسے آدمی دیکھے گئے کہ اگر ان کی ایک وقت کی چائے قدر قضا ہو گئی تو
چلّا کر کہنے لگے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے بڑا ظلم کیا۔ یا ایسے بے صبر ہو جاتے ہیں کہ فوراً سائل
بن کر دوسرے کے دروازہ کو کھٹکھٹانے لگ جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ خدا
تعالیٰ کو جو سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں وہ اُن کو سب سے زیادہ ابتلاء میں ڈالتا
ہے۔ جیسا کہ امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے واقعات گذشتہ مضمون میں بیان
کرچکا ہوں۔ خدا تعالیٰ اپنے پیاروں کو اس لئے ابتلا میں ڈالتا ہے تاکہ دنیا یہ
نہ کہے کہ اپنے پیاروں کو چھوڑ دیتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں سے
محبت بھی اس قدر کرتا ہے کہ کوئی ماں اپنے بچے سے نہیں کر سکتی۔ تاہم اس نے
حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور سب کے
آخر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے مصائب میں دیکھا کہ دنیا کا کوئی ماں باپ
اپنے اکلوتے بیٹے کو درکنار اپنے دس بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھی ایسی تکالیف میں
نہیں دیکھ سکتے۔ مگر پھر بھی اس نے انہیں اس حالت میں رہنے دیا اور فرمایا کہ ابھی
ان کو اور پکنے دو۔ اس نے آدمؑ کو جنت سے نکلنے کی تکلیف میں دیکھا مگر یہی فرمایا
کہ اسے بھٹی میں پڑ کر صاف ہونے دو۔ اس نے سالہا سال تک حضرت نوحؑ کو دشمنوں
کے ہاتھوں اس طرح ذلت سے مسلا جاتا اور پامال ہوتا دیکھا مگر خاموش رہا اور کہا
کہ ان کو ان مصائب سے گذرنے دو کہ یہ میرا

قرب اور کمال

حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے جو اُن سے
بہت محبت کرتا تھا خاموش رہا۔ پھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور بالآخر رسول اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بے حد تکالیف پیش آئیں۔ آپ پر ایسے ایسے مصائب آئے کہ آج کوئی
انسان انہیں پڑھ کر اپنے آنسو نہیں روک سکتا لیکن باوجود اس کے کہ آپ سید ولد
آدم تھے خاتم النبیین تھے۔ تمام نبیوں کے سردار تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کو اس قدر
پیارے بھی تھے کہ اس نے اپنی محبت کو آپ کی محبت میں مرکوز کر دیا اور فرمایا اِنْ
کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اور اپنی محبت کے تمام دروازے
بند کر دیئے سوائے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اس کے اہل بیت اور جو انہی سے ہو کر آئے
مگر آپ کو مصیبت پر مصیبت پڑ آئی فاقہ پر فاقے ہوئے آپ نے اپنے محبوبوں اور
عزیزوں کو بھوک پیاس سے اپنے سامنے تڑپتے دیکھا۔ تین سال تک محصور رہے۔
جہاں کھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تھا اور

درختوں کے پتے

کھا کر گذارہ کرتے تھے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہمیں آٹھ آٹھ دن تک پاخانہ نہیں
آتا تھا اور جب آتا تھا تو بکری کی مینگنیوں کی طرح کا آتا تھا کیونکہ کھانے کو کچھ
نہیں ملتا تھا اور ہم درختوں کے پتے کھاتے تھے یہ حالت تین سال تک رہی پھر
اس کے معاً بعد

عزیز ترین وجود

آپ سے جدا ہو گیا۔ یعنی آپ کی محبوب غمگسار بیوی فوت ہو گئیں۔ پھر اور تکالیف
آئیں اور اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو لمبا کرتا گیا۔ کیونکہ وہ دنیا کو دکھانا چاہتا تھا کہ اس کا
سب سے زیادہ محبوب اس کے لئے سب سے زیادہ تکالیف برداشت کر رہا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی سُنت ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو جگانے کے لئے مصائب نازل کرتا رہتا ہے۔ مؤمنوں کے لئے ان مصائب کا نام اس نے ابتلاء رکھدیا ہے اور منکروں کیلئے عذاب۔ مؤمنوں کے لئے صرف عزت کیلئے اور نام رکھ دیا تاکہ ان کے

احترام میں فرق

نہ آئے اور دنیا یہ نہ کہے کہ خدا اور اس کے رسولوں کو ماننے والے بھی عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں ورنہ چیز ایک ہی ہے جیسے ہم کسی سے کہتے ہیں کہ کھانا ٹھونس لو کسی سے کہتے ہیں کھانا کھا لیجئے اور کسی سے کہتے ہیں کہ تناول فرمالیجئے۔ بات تو ایک ہی ہے لیکن ٹھونس لو کہنا ناراضگی کے لئے رکھا۔ لیجئے برابری کے لئے اور تناول فرمالیجئے اعزاز کیلئے ہے۔ اسی طرح مؤمن اور کافر دونوں کو مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے مگر نام دونوں کیلئے الگ الگ رکھ دیئے گئے۔ کافر کے لئے تکالیف کا نام عذاب اور مؤمن کیلئے تکالیف کا نام ابتلاء رکھدیا گیا۔ پھر مقصد بھی ایک ہی ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ غافل لوگ بیدار ہوں اور جو بیدار ہو چکے وہ اور ترقی کریں۔ مگر بعض ان عذابوں اور ابتلاؤں سے ترقی کرنے کی بجائے ٹھوکر کھا لیتے ہیں اور اپنی حالت کے مطابق اور پیچھے جا پڑتے ہیں۔ مؤمن تو فائدہ اٹھاتا ہے لیکن جس کے

ایمان میں خلل

ہو وہ ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں ایک روایت لکھی ہے جو سبق حاصل کرنے کے لئے بہت مفید ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت لقمان

کو بچپن میں کوئی شخص اٹھا کر لے گیا اور کسی تاجر کے پاس فروخت کر ڈالا۔ آپ اس تاجر کے پاس رہنے لگے آپ کی لیاقت اور ذہانت کو دیکھ کر وہ تاجر آپ سے بے حد محبت کرتا تھا اور آپ کو اپنے بچوں کی طرح رکھتا تھا حتیٰ کہ آپ کے بغیر کوئی چیز نہ کھاتا تھا اور جب

کچھ کھانے لگتا تو آپ کو بھی شریک کر لیتا۔ ایک دفعہ اس کے ایک گماشتہ نے کسی دور دراز علاقہ سے اس کیلئے بے موسم خربوزہ بھیجا۔ تاجر نے اس کی ایک قاش کاٹ کر حضرت لقمان کو دی آپ نے اسے نہایت مزے سے کھایا۔ تاجر سمجھا کہ بہت مزیدار ہے اس لئے اس نے ایک اور قاش دی وہ بھی انہوں نے اسی طرح مزے سے کھائی اسپر اسکی طبیعت بھی چاہی کہ ایسا مزیدار خربوزہ خود بھی کھائے اور ایک قاش کاٹ کر اس نے اپنے منہ میں ڈالی مگر اسے معلوم ہوا کہ

سخت کڑوا

ہے۔ اسپر وہ حضرت لقمان سے ناراض ہوا کہ میں تو تمہارے مزے کی خاطر تمہیں دے رہا تھا اگر کڑوا تھا تو تُم نے مجھے بتا کیوں نہ دیا۔ یا اپنے چہرہ سے اسکی کڑواہٹ کا اظہار کیوں نہ کیا۔ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ جس ہاتھ سے میں اتنی میٹھی چیزیں کھا چکا ہوں اس سے ایک کڑوی ملنے پر میں اس قدر احسان فراموش کیوں بنتا کہ منہ بنانے لگتا۔ مؤمن کا کام ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے رنج ہو تو بھی اپنے ایمان کو متزلزل نہ ہونے دے کیونکہ قرآن شریف میں

منافق کی علامت

یہ بتائی گئی ہے کہ جبتک اُسے ہم نعمتیں دیتے جائیں وہ خوش رہتا ہے لیکن جب ہاتھ روک لیں تو ناراض ہو جاتا ہے مگر مؤمن ابتلاء میں ثابت قدم رہتا ہے اور منافق اور بھی گر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو ابتلاء آتے ہیں وہ اس لئے آتے ہیں کہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ جب کافر پر عذاب بھیجنے سے بھی خدا کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اسکی طرف لوٹے تو مؤمن پر ابتلاء اسے اپنے سے دور کرنے کے لئے کس طرح ہو سکتا ہے۔ جو شخص دشمن کو بھی اس کے فائدہ کے لئے سزا دیتا ہے وہ دوست کو نقصان کے لئے کس طرح تکلیف دے سکتا ہے۔ لیکن بعض نادان اپنے نفع و نقصان اور مفید و مضر میں امتیاز نہ کر سکنے کی وجہ سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب پہنچتا ہے اسکی

غرض یہ ہوتی ہے کہ دلوں کو صاف کرے اگر انسان اس سے سبق حاصل کرے تو وہی اس کیلئے

برکت کا موجب

ہو جاتا ہے اور اگر در جا پڑے تو اللہ غنی ہے اسے کسیکی پرواہ نہیں اس لئے تم پر بھی جب کوئی مصیبت آئے تو بھی یہی خیال کرو کہ اس کی غرض لعلھم یرجعون ہے۔ ایک وقت کی چائے قضا ہونے پر زمین و آسمان سر پر مت اٹھاؤ اور اگر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا دوست سمجھتے ہو تو یہ خیال کرو کہ ابتلاء بھی تمہارے اعزاز کیلئے ہے تباہی کیلئے نہیں۔ گداگری سے بچنے کیلئے یہی ایک نسخہ کافی ہے۔

توکل کا حقیقی مفہوم

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کا نام متوکل رکھا ہے اور مومن کی اس صفت کو اس قدر پسند فرمایا ہے کہ فرماتا ہے۔ جو لوگ متوکل ہو جاتے ہیں ہم اُن سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ افلاس کے وقت متوکل بنے۔ جو بزدل اپنے بازوؤں سے کام نہیں لیتے اور بغیر کسی ضرورت خاص کے لوگوں کے در دل پر کمر باندھ کر بھیک مانگنے لگ جاتے ہیں وہ اگرچہ دولت جمع کر لیں گے مگر درحقیقت یہ دولت نہیں لعنت ہے اور وہ دیدہ ودانستہ اپنے بزرگوں کی توہین کرتے ہیں اور بزرگوں کی توہین اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُن کی اولاد بھیک مانگتی پھرے اور لوگ انہیں شاہ صاحب یا باچہ صاحب یا میاں صاحب کہکر بھیک دیں۔ افسوس۔

توکل کیا چیز ہے؟

اس کے متعلق مسلمانوں میں بڑی بحثیں ہوئی ہیں بعض نے اس کا صحیح مفہوم سمجھا، صحیح بیان کیا اور اسپر صحیح طریق سے عمل کیا۔ مگر بعض نے غلط سمجھا، غلط

بیان کیا اور غلط طور پر ہی عمل کیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں میں اس کا مفہوم وہی رہگیا جو غلط ہے۔ بعض مسلمان توکل کے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کوئی کام نہ کرے نکما بیٹھ جائے اور

دنیا و ما فیہا سے بے خبر

ہو جائے۔ بلکہ اگر میں حقیقی طور پر اس شخص کی کیفیت بیان کر دوں جسے آجکل متوکل کہا جاتا ہے۔ تو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ نکما ہو کر بیٹھ جائے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی انسان بالکل نکما نہیں دیکھا گیا۔ ہر شخص کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتا ہے خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا۔ جن لوگوں کو نکمے کہا جاتا ہے وہ بھی کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتے ہیں وہ آوارہ گردی، گداگری چوری یا اور برائی ضرور کرتے ہیں۔ غرض کہ دنیا میں کوئی انسان نکما نہیں ملتا فرق صرف یہ ہے کہ کوئی تو

کام کا کام

کرتا ہے اور کوئی بے فائدہ لغو یا مضر کام کرتا ہے اس لئے ایسے لوگوں کو نکما کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ بلکہ یہ بات حقیقت سے زیادہ قریب ہوگی اگر کہیں کہ وہ ایسا کام کرتے ہیں جن کے کرنے سے ان کی اپنی ذات کو یا دنیا کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ مثلاً بیٹھے بیٹھے دوستوں سے باتیں کرنا یا عیاشی میں مشغول رہنا یہ بھی کام تو بیشک ہے مگر اس کا فائدہ کچھ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ یا بعض لوگ ادھر کی باتیں اُدھر اور اُدھر کی باتیں اِدھر کرکے فساد کراتے رہتے ہیں۔ یہ بھی کام ہے مگر فضول اور تباہ کن۔ یا بعض شراب نوشی۔ افیون۔ چرس یا قماربازی یا دوسری مضر عادات کے عادی ہوتے ہیں یہ بھی کام ہیں لیکن مضر گویا متوکل جنہیں کہتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں جن کی ذات سے مذہب قوم یا ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یوں تو کام کرتے ہیں مگر مذہبی یا قومی کام نہیں کرتے ہمنے یہ کبھی نہیں سنا کہ کسی متوکل نے کھانا چھوڑ دیا ہو بیوی کو طلاق

دے دی ہو۔ بچوں کو گھر سے نکال دیا ہو یا جائداد غرباء میں تقسیم کردی ہو جو اپنی چیز ہے اسے تو وہ **خوب سنبھال کر رکھتے** ہیں لیکن جو خدا تعالٰے کے کام ہیں یا قومی حقوق ہیں ان کے متعلق وہ کہدیتے ہیں کہ توکل کرنا چاہیئے۔ جب کوئی ایسی بات ہو جو خدا تعالٰے کی طرف سے فرض ہو تو کہدیں گے کہ توکل کرو اللہ تعالٰی پر چھوڑ دو لیکن اگر کھانا کھانے کا سوال ہو تو سب سے پہلے ہاتھ دھو کر دستر خوان پر بیٹھ جائینگے وہاں یہہ بھول جاتے ہیں کہ ہم متوکل ہیں۔ اگر بیوی بچوں میں آرام سے بیٹھ کر وقت گذارنے کا سوال ہو تو وہ ہرگز توکل نہیں کریں گے۔ اگر یار دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر باتیں کرنی ہوں تو کبھی نہیں کہیں گے کہ ہم متوکل ہیں۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں خود ہی باتیں بنا بنا کر لڑائی تک نوبت پہنچادیں گے اور گندے سے گندے الفاظوں کے استعمال میں ایک ذرہ دریغ نہیں کریں گے مگر کبھی نہیں کہیں گے کہ ہم متوکل ہیں گالی کا جواب گالی سے دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری طرف سے فرشتے خود ہی جواب دینگے اس وقت تو اُن کا توکل نہیں ٹوٹتا۔ لیکن جب خدا تعالٰی کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی بجاآوری کا سوال ہو تو انہیں توکل یاد آجاتا ہے۔ آج کل لوگوں نے توکل کا

عجیب مفہوم

سمجھ رکھا ہے۔ جو کام اپنے مطلب کا ہوتا ہے اسے تو کر لیتے ہیں اور جو نہیں کرنا چاہتے اس کے متعلق توکل کہدیتے ہیں حالانکہ توکل کا مفہوم اللہ تعالٰی نے سورۃ فاتحہ میں ایاك نعبد وایاك نستعین میں بیان فرمایا ہے ایاك نعبد وایاك نستعین کے معنے ہی توکل علے اللہ کے ہیں۔ توکل کے دو حصے ہوتے ہیں۔

عملی اور ایمانی

گویا یہ لفظ اپنے اندر دو شاخیں رکھتا ہے ایک عمل اور دوسرا عقیدہ کے لحاظ سے۔ جو حصہ عمل سے تعلق رکھتا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ میں نے اپنے کام کو پورے طور پر

خدا تعالٰی

کے سپرد کردیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں نے اپنے نکاح کا معاملہ آپ کے سپرد کردیا ہے تو کیا کبھی یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس کے سپرد کیا گیا ہو نکاح کرنے والے کی جگہ وہی ایجاب وقبول بھی کرے۔ نہیں۔ بلکہ کسی کے سپرد کردینے کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کہ وہ اس کے لئے حسب منشا انتظام کرے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں عورت سے تمہارا نکاح پسند کرتا ہوں یہ کہتا ہے بہت اچھا مجھے منظور ہے۔ وہ کہتا ہے میں تمہارے نکاح کے لئے فلاں تاریخ مقرر کرتا ہوں یہ کہتا ہے بہت اچھا۔ وہ کہتا ہے کہ میرے خیال میں اس قدر مہر مقرر کرنا چاہیئے یہ کہتا ہے کہ بہت اچھا۔ وہ کہتا ہے کہ انہیں اس قدر زیور دینا چاہیئے یہ منظور کرلیتا ہے۔

لیکن

ایجاب وقبول خود اسے ہی کرنا پڑتا ہے۔ نکاح کا معاملہ کسی کے سپرد کردینے کے یہ معنے نہیں کہ وہ خود ہی عورت تلاش کرے اپنے پاس سے زیور کپڑا دے خود ہی مہر ادا کرے اور آپ ہی جاکر کہہ آئے کہ مجھے منظور ہے بلکہ صرف یہ معنے ہوتے ہیں کہ میں اپنے ارادہ کو چھوڑتا ہوں اور جس طرح تم پسند کروگے اسیطرح کروں گا۔ پس توکل کے معنے بھی یہی ہیں کہ خدا تعالٰے نے جو

نظام اور طریق عمل

مقرر کیا ہے ہم اس پر عمل کریں گے اور جس طرح وہ حکم دیگا اسیطرح کریں گے جس طرح نکاح کا معاملہ سپرد کردینے والا کہتا ہے کہ جو شرائط تم تجویز کروگے میں منظور کروں گا۔ جس جگہ نکاح پڑھوانے کیلئے مجھے کہوگے جاؤنگا اسیطرح توکل کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا تعالٰے نے جو راستہ میرے لئے تجویز کردیا ہے میں اسی پر چلوں گا۔ پس توکل کا عملی حصہ یہ ہے کہ انسان کہتا ہے اے پروردگار عالم جو قواعد تو نے میرے

لئے مقرر کئے ہیں مجھے منظور ہیں۔ تو جو کہیگا۔ میں کروں گا۔ ایاك نعبد میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ عملی طور پر اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اھدنا الصراط المستقیم فرمایا یعنے اے خداوند کریم میں نے اپنے آپ کو پورے طور پر تیرے حوالے کر دیا ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں۔ اگر توکل کے یہ معنے ہوتے کہ عمل ترک کر دیا جائے تو اھدنا الصراط المستقیم کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں نے تو توکل کر لیا ہے نماز، روزہ، حج، وغیرہ اب آپ اپنے پاس ہی رکھئے۔ اب مجھے کسی عمل کی کیا ضرورت ہے۔ مگر ایسا نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھپر کامل توکل کر لیا ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں مجھے عمل کا طریق بتایئے کیونکہ میں نے آپ ہی کی ماننی ہے آپ کے مقابلہ میں اور کسی کی ہرگز نہیں مانونگا اس درجواب آگے اللہ تعالےٰ نے الحمد سے وَالنّاس تک دیا ہے۔ جب بندہ نے کہدیا کہ میں تیری مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا تو قرآن نازل ہوا گویا توکل کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ جس طرح خدا کہیگا کروں گا اور

قرآن کریم پر عمل

کروں گا۔ دوسرا اعتقادی رنگ ہے یعنی نتیجہ کے لحاظ سے انسان یہ سمجھے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کرے گا وہی ہوگا۔ عمل کے لحاظ سے تو یہ کہے کہ جو خدا کہیگا وہی کروں گا لیکن نتیجہ کے لحاظ سے یہ سمجھے کہ جو خدا کرے گا وہی ہوگا۔ اگر کسی طالب علم کے کئی استاد ہوں تو وہ ان میں سے جس سے چاہے کوئی بات معلوم کر سکتا ہے۔ جب کئی طبیب ہوں تو کسی ایک سے مشورہ لیا جا سکتا ہے لیکن جب ایک ہی ہو تو اسی پر توکل کرنا پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دعائیں بہت زیادہ کرتا ہے لیکن جب یہ خیال ہو کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن سے میں عندالضرورت مدد

لے سکتا ہوں تو انسان زیادہ مضطرب نہیں ہوتا لیکن جو یہ سمجھے کہ ایک ہی در ہے اور اس کے سوا میرا کوئی آسرا نہیں تو اس خیال سے ہی وہ رو پڑتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تجھے چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ گویا توکل عملی انسان کو عمل میں اور توکل اعتقادی

دعائیں تیز

کرتا ہے اسی لئے توکل کے بعد کہتا ہے ایاك نستعین یعنے تیرا در چھوڑ کر میں کہاں جاؤں۔ اس طرح انسان کو عملی لحاظ سے بھی اور عقیدہ کے لحاظ سے بھی خدا پر توکل کرنا سکھایا گیا جس سے دعائیں زیادہ رقت، درد اور جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان خدا تعالیٰ کی طرف اس طرح جھکتا ہے کہ گویا اپنے آپ کو اس کی راہ میں مٹا ڈالتا ہے اور اسی کا نام حقیقی توکل ہے۔

ایک واقعہ

ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بعض لوگ باہر سے ملنے کے لئے آئے چونکہ انہیں حد درجہ عشق تھا اس لئے ضبط نہ ہو سکا اور اونٹوں سے اتر کر فوراً دوڑتے ہوئے آپؐ کے پاس پہنچے۔ آپ نے فرمایا اونٹ باندھ آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں خدا کے توکل پر کھلے ہی چھوڑ دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے اونٹ کا گھٹنہ باندھو پھر توکل کرو یعنی عمل تم کرو اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دو۔ مؤمن غیر مؤمن سے زیادہ کام کرتا ہے۔

صحابہ کرام

رات دن مشغول رہتے تھے خصوصاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کیوں اتنی دعائیں کرتے ہیں کیا اللہ تعالےٰ نے

آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں کر دیئے آپؐ نے فرمایا کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ اگر توکل کے معنے یہ ہوتے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسپر عمل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ آپؐ سب سے بڑھ کر متوکل تھے مگر برعکس اس کے آپؐ سب سے زیادہ مشغول رہتے تھے اور کوئی فرصت کا وقت آپؐ کا نہیں ہوتا تھا۔ پھر سب سے زیادہ توکل تو جنت میں ہونا چاہیئے تھا مگر قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی مشغولیت ہوگی جیسے فرمایا فی شغل فاکھون وہاں تو ہر چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اس لئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا ہی چاہیئے تھا۔ مگر وہاں کیلئے بھی شغل کو نکرہ کے طور پر استعمال کر کے بتایا کہ وہاں بھی بڑا عظیم الشان کام کرنا ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں فاکھون ہوں گے یعنی انسان کام سے تنگ نہیں آجائیگا اور تھکیگا نہیں بلکہ خوشی محسوس کرے گا اس کا دائرہ عمل بہت وسیع ہوگا۔

انسان تنگ اسی وقت آتا ہے جب دائرہ عمل محدود ہو اس سے اس کے دل میں کوفت محسوس ہونے لگتی ہے مگر جنت میں چونکہ دائرہ عمل بہت وسیع ہوگا اس لئے انسان کوفت محسوس نہیں کرے گا۔ بلکہ کام کرنے کے باوجود اس کے اندر بشاشت قایم رہیگی۔ پس مؤمنوں کو

متوکل بننا چاہیئے

خصوصاً اولاد کو متوکل بنانا چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ ہزارہا مردوزن بیچ لگے رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کے بچے نہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور فائدہ مند کام کرتے ہیں۔ ان کے ماں باپ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کھانے کو دے رہا ہے۔ انہیں کھانے دو دُنیا چند روزہ ہے۔ بچوں کو مزے کرنے دو جب ہم مر جائیں گے تو پھر خواہ بھیک مانگ کر گذارہ کر لیں مگر اب تکلیف نہ ہونے دو

اگر لڑکے کا جی سبق پڑھنے کی طرف مائل نہو تو رہنے دو لاغر ہو جائیگا۔ اگر دن کے بارہ بجے لڑکے کے منہ سے چاء کا لفظ نکلا تو ماں جلدی سے پیالہ بغل میں دبا کر اگر بارہ گھروں میں مانگنا پڑے تو دودھ کی تلاش میں دیوانہ وار دوڑتی پھریگی اور جبتک اپنے بچے کی درخواست کو عملی جامہ نہ پہنائیگی دم نہیں لیگی۔ لیکن اتنا نہیں سوچتی کہ کیا خدا تعالیٰ نے یہ دنیا کا اس قدر وسیع نظام اور یہ

تمام کائنات

کھانا کھانے اور چاء نوشی ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس بوجھ کو تو کوئی بادشاہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا بیٹا نکما بیٹھا رہے اور وہ خدا تعالےٰ کے سامنے یہ جواب دے کہ تو نے کھانے کو بہت دے رکھا تھا اس لئے میں نے اپنی اولاد کو کسی کام پر لگانا مناسب نہیں سمجھا۔ قرآن کریم میں الموؤدۃ سئلت آیا ہے اور وہ اولاد جسے کسی کام کا نہیں بنایا جاتا تو وہ بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ کھانے کے لحاظ سے تو گدھا بیل بھینس وغیرہ حیوانات انسان سے زیادہ کھا لیتے ہیں مگر ان کے لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں بھیجا گیا۔ ان کے لئے قرآن نہیں اُتارا گیا کیونکہ وہ

دماغی طاقت

جن پر انسان کی قیمت کا انحصار ہے۔ ان میں نہیں۔ پس جو شخص اپنی اولاد کو کسی کام کا نہیں بناتا بظاہر تو وہ ان کے جسم کو تکلیف سے بچاتا ہے۔ مگر باطن میں

ان کی روح کو تباہ

کر دیتا ہے۔ بلکہ اولاد کی جڑیں کاٹ دیتا ہے اور وہ خدا تعالےٰ کے سامنے انہی لوگوں میں کھڑا ہوگا جنپر الموؤدۃ کا الزام ہوگا۔ یہی ناجائز محبت ہی اولاد کو دنیا میں ایک ذلیل اور بے غیرت زندگی کے گذارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

بے ہودہ وقت ضائع کرنا روحانیت کو مارنے والی چیز ہے۔ اور جو بدبخت انسان

اپنی اولاد کو اس طرح تباہ کرتا ہے وہ خدا تعالےٰ کی قدرتوں کو ضائع کرنے والا ہے۔
اور یقیناً خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔

متوکل

تو خدا تعالےٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ مگر ایسا نکما آدمی دنیا میں ایک تو بتاؤ جو خدا کا محبوب
بنگیا ہو بلکہ ایسا انسان تو خدا کا محب بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا تعالےٰ سے محبت بھی
اُسے ہی نصیب ہو سکتی ہے جو

وقت کی قدر

جانتا ہو۔ اگر ایک آدمی خود بھی سُست رہے اور اولاد کو بھی سُست اور نکمّا رکھے
تو وہ متوکل نہیں بلکہ توکل کا حقیقی اور سخت ترین دشمن ہے اور توکل کی جڑ کاٹنے والا ہے

خصوصاً خاندان سادات

دنیا میں ایک پاک تبدیلی اور انقلاب کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایاک
نعبد کی روح اپنے اندر پیدا کریں۔

دوسروں سے محبت

کریں اور پھر نتیجہ کے لئے گھبرائیں نہیں بلکہ اسے خدا تعالےٰ پر چھوڑ دیں۔

دوسرے کا دست نگر

نہیں بننا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ سے ہی دعا کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے فضل سے سامان پیدا
کردے۔ دنیا میں بے شمار حیوانات آباد ہیں اور ہر ایک کو اپنے مقررہ وقت پر خوراک
ملجایا کرتی ہے۔ پھر کیا خداوند کریم اپنے ایک محبوب مومن کو محروم رکھ سکتا ہے ہرگز
نہیں بشرطیکہ توکل اور عقیدہ دونوں کا اصلی معنوں میں پابند ہو سکے

دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمنان نظر داری

ایک بزرگ کا واقعہ

اُسے بادشاہ کا حکم ملا کہ آپ کے متعلق ہمارے پاس شکایت پہنچی ہے۔ آپ
فوراً حاضر ہوں وہ چل پڑے اور ابھی کوئی بیس میل گئے ہوں گے کہ سخت طوفان
اور بارش آگئی۔ وہاں اور تو کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی ایک کٹیا نظر آئی اس کے اندر وہ
گئے تو اندر ایک لنگڑا لولا اپاہج پڑا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا بھئی اگر اجازت ہو
تو تھوڑی دیر یہاں آرام لے لوں۔ اس نے آپ کا نام وغیرہ پوچھا اور جب آپ نے
اپنا نام اور مقام وغیرہ کا پتہ دیا۔ تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ اور کہا کہ میرے تو نصیب
اور بھاگ جاگ پڑے کہ آپ کی زیارت ہوگئی۔ میں تو کئی سال سے دعا کر رہا تھا کہ خدا
تعالیٰ آپ کی زیارت کا موقع دے۔ اس بزرگ نے کہا پھر تیری کشش ہی مجھے یہاں
لے آئی ہے اور بادشاہ کا حکم محض ایک بہانہ تھا۔ اتنے میں ایک سوار اُدھر سے
گذرتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اُن بزرگ کو ایک تحریر دی کہ دراصل آرڈر دینے میں غلطی
ہو گئی ہے آپ کو نہیں بلایا گیا۔

جب انسان اللہ تعالےٰ پر توکل کرے تو وہ خود مددگار ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ
صحرائی لنگڑا کامیاب ہوا اور اس بزرگ کی دعا سے اسے شفا ہوئی۔

پس مومن

کے اندر وقار اور اللہ تعالےٰ پر اعتماد ہونا چاہیئے۔ جب اسیر ایمان ہو تو وہ خود بخود
مزدور کوئی راہ نکال دیتا ہے۔ پس دوستوں کو توکل پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھنی چاہیئے
اور اپنے اندر ایسا وقار پیدا کرنا چاہیئے تاکہ دوسرے سمجھیں کہ اللہ تعالےٰ پر پورا بھروسہ
رکھتے ہیں۔ اگر ہم لوگوں کے دروازوں پر دستک دیتے پھریں تو لوگ یہی کہیں گے
کہ ان کے اندر توکل ہی نہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمارے اندر حقیقی توکل پیدا کرے اور وقار

لحاظ سے وہ مقام عطا کرے جو کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہمارے لئے عزت کا باعث ہو

ہمارے مذہبی رہنما

جب کسی قوم کا زوال شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس میں بیکاری اور عیش پسندی کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ برسات کی نشانی ابر سے اور گاڑی کی آمد کی نشانی سگنل ڈاؤن ہونے سے پریڈ کی نشانی بگل سے نماز کی نشانی اذان سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنے ہر نیک و بد کار کیلئے قدرت نے ایک نشان مقرر کیا ہوا ہے۔ اس لئے قوم کی تباہی کے نشانات بیکاری و عیش پسندی ہے۔ اس موذی مرض کے بعد رفتہ رفتہ دنیا کی تمام برائیاں اور بداخلاقیاں اس میں گھر کرنے لگتی ہیں۔ دنیا کی کسی قوم کو لے لو اُس نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں تہذیب و اخلاق کو کتنا ہی سنوارا ہو لیکن جب زوال کے راستہ پر پڑی تو ہمتیں مفقود ہو گئیں۔ عقلوں پر پتھر پڑ گئے۔ عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئیں اور خود اس کے رہنما سب سے زیادہ حیا سوز اور اخلاق شکن ثابت ہونے لگے۔

یہی حال آجکل مسلمانوں کی ہے ابوبکرؓ کی صداقت۔ عمرؓ کی عظمت و سطوت۔ عثمانؓ کی فیاضی اور علیؓ کی شجاعت تو خواب و خیال ہو گئیں۔ پس اہلبیت بیکاری۔ عیش پسندی اور سوال سے اجتناب کریں۔

ہم خود اپنے آپکو تباہ کر رہے ہیں

آج ہر طرف سے یہی آواز کان میں آتی ہے کہ سید مفلس ہیں اور اُن پر ذلالت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان آوازوں میں صداقت ہے ہم اُن آوازوں کو سنتے ہیں اور پست ہمت ہوتے جاتے ہیں لیکن ہم میں سے

شاید بہت ہی کم افراد ایسے ملیں گے جو یہ سوچنے کی کوشش کریں کہ اس کی حقیقی وجہ کیا ہے۔ آخر ہم میں کیا خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے ہم برابر قعر مذلت میں گر رہے ہیں میں جس وقت یہ خیال کرتا ہوں کہ سادات ہر طرف سے ادبار میں گرفتار ہیں تو میں خود اسے تسلیم کرتا ہوں کہ سادات نے حقیقی اسلام کو چھوڑ دیا اسی لئے وہ ادبار کی طرف جا رہے ہیں اور ان کی جو رفتار ہے اگر یہ رفتار جاری رہی تو یقینی ہے کہ وہ بہت جلد فنا ہو جائیں گے۔ جس تمدن کا سبق اسلام نے دیا تھا اسے فراموش کر دیا جو معاشرت اس نے ہمارے لئے مرتب کی تھی اس سے ہم یکسر علیحدہ ہو گئے اور سب سے زیادہ جو نظام اعمال اس نے ہمارے لئے مرتب کیا تھا اس کو ہم نے بالکل فراموش کر دیا۔ آج جو سادات ہم کو بظاہر مذہب کے پابند نظر آتے ہیں وہ زیادہ تر عبادات اور عقائد کے پابند ہیں۔ لیکن اعمال میں اسلام کی صحیح روح سے ان کو واسطہ نہیں اسلام ہی ایک ایسا جید مذہب ہے جس نے ہمارے لئے پورا نظام زندگی مرتب کیا۔ پھر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے دنیا کی زندگی کو عبادت قرار دیا اور دنیا میں نیک اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے اصول مرتب کر کے ہمارے سامنے پیش کئے۔ پس جو شخص ان اصولوں پر کاربند نہوگا وہ دنیا میں ضرور ناکام رہے گا۔ چونکہ اہل بیت نے دنیا میں رہنے کے اسلامی اصولوں سے پہلو تہی کی ہے اس لئے ہم دنیا میں ناکام رہے۔

مسئلہ تقدیر

جیسا کہ بعض لوگوں نے توکل کے معنوں میں غلطی کی ویسے ہی تقدیر کے غلط معنے کرنے والے بھی موجود ہیں۔ بیگانے دروں پر دستک دینے والوں کے لئے اس مسئلہ میں حجت کی کافی گنجائش ہے اور وہ اپنی مطلب برآری اور عیب پوشی کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ آدمی کو بھلا برا یا گدا گر بننا جو کچھ پیش آنے والا ہے پہلے ہی سے خدا نے اس کیلئے

ٹھیرادیا ہے۔ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔

یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ عوام تو عوام خواص بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے۔

میری اتنی علمیت کہاں جو چھوٹا منہ اور بڑی بات کہہ کر اس کو مفصل علمی بحث سے پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں تاہم اگر اپنے معلومات کے مطابق اسپر روشنی نہ ڈالی گئی تو بے انصافی ہوگی۔

یہ لوگ

انسانی زندگی کے دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ انسان کچھ اختیار بھی رکھتا ہے اور اسی اختیار کے بنا پر وہ دنیا میں اپنے افعال کا جواب دہ سمجھا جاتا ہے۔ دنیا و آخرت میں نقل و اصل کی نسبت ہے اور ایک کا دوسرے کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

تقدیر

لفظ تقدیر نکلا ہے قدر سے جس کے معنے اندازے کے ہیں پس تقدیر کے معنے اندازہ ٹھہرانے کے ہوئے۔ جو معنے اِنَّا کُلَّ شَیْئٍ خَلَقْنَاہُ بِقَدَرٍ دہی معنے تقدیر کے ہیں یعنے ہر ایک چیز کو اللہ تعالےٰ نے بنایا۔ پھر اُس ہر چیز کے لئے ایک اندازہ اور حد مقرر کر دی کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ماسوا سب محدود اور اس کے احاطہ کے ماتحت ہے۔ اس لئے تمام ترقیات دینی و دنیوی اسی تقدیر اور اندازہ سے ہو رہی ہیں اگر اس کو نہ مانا جائے تو نہ دین رہے نہ دنیا۔

مثلاً ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اس لئے کرتے ہیں کہ اس کا اندازہ یہی ہے۔ کہ ان باتوں کا نتیجہ ہمارے حق میں نیک اور عمدہ ہوگا۔ اگر اس اندازہ پر ایمان نہ ہو تو پھر نیکی کیوں کیجائے۔ غرض اس آیت نے بتا دیا کہ ہر ایک عمل نتیجہ خیز ہے اور بڑے حلیم و حکیم نے تمام کارخانہ مضبوط علمی رنگ کا

کا بنایا ہے اس میں کوئی حرکت اور سکون عبث اور بے نتیجہ نہیں۔ یہ آیت ہر شخص کو چست اور کارکن بننے کی حد سے زیادہ ترغیب دیتی ہے۔ کس قدر نابینائی ہے کہ ایسے حقائق کو ہنسی اور نکتہ چینی کا نشانہ بنایا جاتا ہے حالانکہ تقدیر کا مسئلہ تو ایسا صحیح ہے کہ دیندار اور بیدین اللہ تعالےٰ کو ماننے والے اور نہ ماننے والے سب اس مسئلہ کو ضروری اور واجب العمل یقین کرتے ہیں۔ اور تدبیر کے معنے بھی یہی ہیں کہ تقدیر کے مطابق تہیۂ اسباب کیا جائے۔

اگلے مسلمان جو معراج الکمال ترقی پر پہنچ گئے تھے وہ بھی تو تقدیر کے قائل تھے۔ مگر کوشش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ کامیابی ان کی تقدیر میں ہے اور تدبیر تقدیر ہی کے لئے ان سے کوشش کرا رہی ہے۔ اس پر احیاناً اگر ان کی سعی نامشکور ہوتی تھی تو نامشکوری سعی محرک ہوتی تھی سعی مزید کی اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ اب کے مسلمان پہلے ہی سے آس توڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور بے ہاتھ پاؤں ہلائے سمجھے ہوئے ہیں کہ خدا ہی ان کی بہتری نہیں چاہتا۔ مگر خاص کر گداپیشہ لوگ تو مذبذب الایمان ہوتے ہیں ایک طرف تو وہ اس غلط عقیدہ کے پابند ہوتے ہیں کہ خدا ہی ہماری بہتری نہیں چاہتا اور دوسری طرف جا کر اسی اللہ تعالےٰ کے واسطے دوہائیاں ڈال کر بیگانے دروں کو کھٹکاتے ہیں۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ ہی بہتری نہیں چاہتا تو پھر اُس ہی خدا تعالےٰ کا نام کیوں اپنی مطلب براری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

ناظرین کرام

کی خدمت میں التماس ہے کہ میرے گذشتہ مضمونوں سے یہ نہ سمجھیں کہ میں نے

عوام۔ دُنیاداران یا حضرات سادات یا علماء کرام یا شیخان یا سائلوں کی ذات پر نا جائز حملہ کیا ہے نعوذ باللہ۔ بلکہ واقعات سے ثابت ہے کہ بعض خودغرض جو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر خلاف ورزی قانون شریعت کے عادی ہیں انہیں مخاطب کیا گیا اور وہی مدنظر ہیں کیونکہ "خدا پنج انگشت یکسان نکرد"۔

بعض وہ لوگ

جو سادات مشوانیوں کو افغان سمجھتے ہیں ان کے پاس صرف یہی دلیل ہے کہ اگر مشوانی سید ہوتے تو سائل ضرور ہوتے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اگر وہ لوگ انصاف کے دشمن نہوتے تو مشوانیوں کے موجودہ اخلاق کو مدنظر رکھ کر انہی کو سادات شریف النسب تسلیم کرتے۔ کیونکہ یہی ایک گروہ ہے جو خاص طور پر سُنتِ نبوی پر قائم ہے اور آج تک اس قوم نے ایک گداگر بھی نہیں پیدا کیا۔

علاوہ ازین

جس قوم کے اثبات میں پچاس کتابیں شاہد ہوں اور پھر حقیقت سے روگردانی کیجائے تو ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔

کوئی افراد

ایسے بھی ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر مشوانی سید ہوتے تو ان کے ناموں میں شاہ اور سید کا لفظ ضرور ہوتا۔ سو اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نام ذات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا یہ محض ایک خطابی لفظ ہے جو مشوانیوں کے ناموں کے آگے چسپاں کیا جاتا ہے اور وہ لفظِ خان ہے۔

مثلاً اگر گلدین ذات کا دھوبی ہے اور اس کو گلدین شاہ کہا جائے تو وہ اِس شاہ کے لفظ سے سید نہیں بن سکتا۔ اسیطرح اگر ایک سید جس کا نام بجائے حسین شاہ کے حسین خان رکھا جائے تو وہ افغان نہیں ہو سکتا۔ اگر شاہ یا سید کا لفظ ضروری ہوتا تو سب سے پہلے

حضرت علی علیہ السلام کے نام۔ مبارک سے ملحق کیا جاتا پھر حسنین علیہما السلام اور زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام محمد باقر صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ وغیرہ وغیرہ تمام حضرات کے ناموں میں ایسا لفظ نہیں پایا جاتا۔ پس فہمیدہ حضرات کیلئے اتنے ہی مثالیں کافی ہیں۔

وجہ تسمیہ قوم مشوانی

جب سردار کاکڑی کی دختر کے بطن سے مشوانی تولد ہوا تو کنیز دوڑتی ہوئی میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بشارت دینے کیلئے پہنچی کہا کہ اے قبلہ عالم آپکے دولتخانہ میں سردار کاکڑی کی دختر نیک اختر کے بطن سے لڑکا تولد ہوا مبارک ہو۔ اس وقت میر محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر دوات پڑی ہوئی تھی اور وہ خاص توجہ سے دوات پر نظر ڈالے ہوئے تھے۔ جب یہ خوشخبری پہنچی انہوں نے بحالت خوشی وہ نام موزوں سمجھکر نام مشوانی رکھدیا۔ چونکہ دوات کو بزبانِ پشتو مشوانئ کہتے ہیں اس لئے وہ اسی نام سے موسوم ہوا۔ اور آجتک اس کی اولاد مشوانی کہلاتی ہے۔

اگرچہ ستوریانی وردگ اور ہنی کے حالات بھی موجود ہیں مگر طوالت کیوجہ سے نظر انداز کئے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ مشوانی کی اولاد ترقی پکڑتی گئی اور وہ افغانستان میں ایک زبردست جنگجو اور بہادر قوم تصور ہونے لگی۔ جو جو سلاطین افغانستان سے ہندستان پر حملہ کیا کرتے تو ضرور مشوانیوں کی گروہ کو ساتھ شامل کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس قوم مشوانی کی افغانستان سے آکر صوبہ سرحد میں بمقام سری کوٹ ضلع ہزارہ آباد ہونیکی مختلف روایات ہیں جن میں سے چند بطور ملاحظہ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

لوکل گورنمنٹ

نے بحوالہ دفعہ (۱۵) ایکٹ ۳۲ سال ۱۸۷۱ء ہزارہ۔ شجرہ نسب قوم سادات مشوانی کی تشریح اس طرح کی ہے جس میں مشوانیوں کے سرگردوں کے دستخط ثبت ہیں

بعہد سلمانی جب سلطان محمود غزنوی اس ملک میں آیا تو ہمراہ شاہ موصوف سید محمد گیسو دراز صاحب وادائے کپور شاہ و محمد شاہ مورثان ہمارے کا بھی اس ملک میں آیا۔ جب بادشاہ نے اس ملک کو اپنے زیر قلم کیا تو سید محمد گیسو دراز بزرگ ہمارے کو اس ملک میں رہنے کا حکم دیا۔ الا بزرگ ہمارا خود اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور ہر دو پوتائی اپنے کپور شاہ و محمد شاہ کو اس جگہ چھوڑا۔ انہوں نے رقبہ متعلقہ سری کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ تب سے ملکیت ہماری قوم کو حاصل ہے۔ جب کپور شاہ و محمد شاہ دونوں برادران نے آپس میں تقسیم کر لی۔ تو گنڈی کبشہ محمد شاہ آیادہ گاؤں جدا ہے۔ پھر جب اولاد کپور شاہ میں تقسیم ہوئی تو حصہ ابی سعیان کچھ گنڈی گیا اور سالم امر خانہ اس کے حصہ میں آیا۔ اس گاؤں میں یعنے سری کوٹ میں صرف شاہ مراد قابض رہا۔ شاہ مراد کے دو پسر سید یعقوب و سید یوسف ہوئے۔ ان میں سے سید یوسف اپنے وطن افغانستان چلا گیا۔ اس کے بعد اولاد سید یعقوب نے اس ملک کو چار حصہ کیا۔ امان شاہ پسر کلان ۲ حصہ۔ باجی شاہ و جان شاہ ۲ حصہ۔ ڈھاکہ شاملات چھوڑ کر باقی گاؤں کو بحصص صدر بطور چک بٹ تقسیم کر لیا۔ پھر بباعث قحط کلان اولاد سید یوسف سے جو وطن کو واپس چلا گیا تھا درے خان و حسین شاہ بھی اس گاؤں میں آئے۔ اسوقت حسین شاہ کو باجی شاہ و جان شاہ نے اپنی دو ربعہ سے سالم ربعہ گاؤں کا جدا کر کے دیدیا اور درے خان کو حصہ مقرر کر کے نہیں دیا۔ محض گذارہ کیلئے باجی شاہ و جان شاہ نے درے خان کو کسیقدر اپنے حصہ سے حصہ ملکیت دیدیا یعنے ایک ربعہ میں یہ تینوں باجی شاہ، جان شاہ اور درے خان کا حسب رسد قبضہ ہوا۔ اس تقسیم سے تین اطراف جس کو ہم مالکان تیہ مشہور کرتے ہیں اندر تیہ مُورا خیل کے شامل ہیں جس کو مُنڈی بولتے ہیں مشہور ہوئے

سری کوٹ چار دفعہ ویران ہوا تھا:۔

۱۔ درعہد حکومت سلمانان بباعث قحط کلان سات سال ویران رہا۔ پھر آکر آباد ہوا

۲۔ درعہد حکومت سکھان مالکان سری کوٹ نے خود اپنی خوشی سے ویران کیا اور پھر ایک ماہ کے بعد آکر آباد کیا۔

۳۔ درعہد سکھان مالکان نے پھر ویران کیا۔ کچھ مدت بعد آکر آباد کیا۔

۴۔ پھر سکھوں نے ویران کیا اور بارہ سال تک ویران رہا اور سمت ۱۸۹۱ میں سردار ہری سنگھ نوہ جو سکھوں کا مشہور جرنیل تھا کے مشورہ سے آباد ہوا تب سے آباد ہے۔

قسم دوم

بحوالہ تاریخ ہزارہ مع رواجنامۂ عام متعلقہ امور وراثت قوم مشوانی

یہ لوگ اپنے آپ کو سید حسینی کہتے ہیں۔ مورث اس قوم کا مشوانی تھا اس کے نام پر مشوانی مشہور ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کے بعد یہ لوگ دس بارہ گھر ولایت کابل سے اس ملک میں آئے اول اسجگہ جہاں کہ موضع پھاڑو کا گاؤں آباد ہے آکر ٹھیرے۔ اور نزدیک اس کے یہ ڈھاکہ سری کوٹ ویران اور غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ عمل دوراشت اس پہاڑ پر قوم دلازاک کی تھی اور گاؤں قوم دلازاک کا متصل قلعہ سری کوٹ کے آباد تھا جس کا نام سانگوٹ تھا۔ جب بزرگ قوم نے وہ جگہ جاکر دیکھی تو پسند آئی۔ باجازت قوم دلازاک کے اس وقت وارث تھی اس جگہ جہاں اب سری کوٹ آباد ہے بنیاد آبادی ڈالی اور آباد ہو گئے۔ پھر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عورت قوم دلازاک اس قوم کی آبادی میں ایک مشوانی کے گھر کسی خانگی رنجیدگی کیوجہ سے آکر پناہ گزین ہوئی۔ اس کشمکش نے طول پکڑا۔ قوم مشوانی اور دلازاک کا آپس میں فساد ہوا۔ زبردست ایک خونریز لڑائی کے بعد دلازاک کو شکست فاش ہوئی۔ دلازاک وہاں نہ ٹھیر سکے۔ سانگوٹ سے نکل کر ڈھاکہ عثمان تانی پر جو سری کوٹ کے

تخمیناً دو کوس بجانب شمال واقع ہے سکونت اختیار کی۔ مگر وہاں بھی نہ ٹھیر سکے اور وہاں سے میدانی ملک میں چلے آئے اور قوم مشوانی سری کوٹ اور گرد و نواح پر پورے طور پر قابض ہوگئے۔ بعد اس کے موضع گنڈی اور امر خانہ بھی اس قوم نے آباد کیا۔ چند عرصہ کے بعد جب مشوانی کافی قوت پیدا کر چکے تو وہ اپنے آپ کو حاکم و وارث کہلانے لگے اور تمام علاقہ اس پار دریائے اباسندھ پر قابض ہوگئے۔ مدت تک یہ حال رہا۔ بعد ازاں جب احمد شاہ بادشاہ کی سلطنت ہوئی تو اس وقت عثمان زئی پٹھانوں کا غلبہ ہوا اور وہ پار دریائے اباسندھ علاقہ مشوانیوں میں بھی دست اندازی کرنے لگے۔ چونکہ اس وقت مشوانی اپنی اندرونی بے اتفاقیوں سے کمزور ہو گئے تھے۔ اس لئے عثمان زئی پٹھانوں نے ان کا علاقہ بھی اپنے علاقہ سے ملحق کر دیا اور بٹائی لینی شروع کی۔ خاص سری کوٹ ظریف خان، اجبار خان۔ بزرگان ملک فضل خان قوم عثمان زئی ساکن ٹوپی علاقہ یوسفزئی کے قبضہ میں آیا۔ اور باقی ملک اپنی برادری میں تقسیم کیا۔ تین پشت تک برابر قابض رہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ

نے سمت ۱۸۸۱ بکرمی کو ہزارہ میں آکر قلعہ سری کوٹ کو تعمیر کیا تو مشوانی مع پٹھانوں کے علاقہ سری کوٹ سے نکل کر پار علاقہ یوسف زئی میں چلے گئے۔ بوقت واپسی مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور پھر مشوانی و عثمان زئی پٹھانوں نے متفق طور سری کوٹ پر حملہ کر دیا۔ قلعہ سری کوٹ کو بغیر کسی خونریزی کے فتح کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بعد ازاں سردار ہری سنگھ نلوہ اور ونٹورہ صاحب جو فرانسیس تھا اور سکھ گورنمنٹ کا جنرل تھا دونوں نے مع فوج کثیر کے سری کوٹ کا محاصرہ کیا۔ ایک مدت کے بعد انکو فتح ہوئی۔ ان جرنیلوں نے بوستان خان، زرین جلال خان دلازاک۔ شیر محمد خان و سلیم شاہ مشوانی کو توپ سے اڑایا۔ اس صدمہ سے پھر مشوانی و پٹھان عثمان زئی

متفق طور پر پار دریائے اباسندھ علاقہ یوسف کو چلے گئے۔ چار پانچ برس کے بعد مشوانی آکر سردار ہری سنگھ نلوہ سے ملے اور حسب الحکم ہری سنگھ پھر اپنے علاقہ پر قابض ہوئے جو کہ آجتک برابر قابض ہیں اور اسی عہد میں مشوانی عثمان زائیوں سے آزاد ہو کر زندگی بسر کرنے لگے یہ قوم خوب مضبوط عمدہ سپاہی اور قوی دل ہے۔ اکثر حال اس علاقے کے واقعات کا تمام حالاتِ ضلع میں درج ہے۔ اب یہ قوم بموجب رسد قبضہ کی مالک ہے۔ صالح محمد مشوانی وغیرہ کو جاگیریں بھی بہ تفصیل ذیل دیگئی ہیں:-

اولاد صالح محمد جاگیردار تعداد جاگیر ۰ — ۰ — ۱۱۶

عبدالجبار نمبردار ۰ — ۰ — ۱۰۰

عالم شاہ نمبردار ۰ — ۰ — ۵۳

حضرت شاہ نمبردار ۰ — ۰ — ۱۶

انعام خواران:-

عبداللہ خان ۰ — ۰ — ۱۰۰

سردار ۰ — ۰ — ۴

نور خان ۰ — ۰ — ۵

معظم ۰ — ۰ — ۲۰

ہیرول ۰ — ۰ — ۲۰

شاہ باز ۰ — ۰ — ۲۰

نوبت ۰ — ۰ — ۲۰

(دیکھو تواریخ ہزارہ صفحہ ۲۱۲ مصنفہ گورنمنٹ آف انڈیا)

نام تصدیق کنندگان یعنے نمائندگان قوم مشوانیاں۔

العبد مولا حضرت نور ساکن سری کوٹ

العبد حضرت شاہ نمبردار ساکن سری کوٹ

سید محمود نمبردار سری کوٹ — عالم شاہ نمبردار سری کوٹ — عبدالجبار نمبردار سری کوٹ

شیر نمبردار گنڈی — معظم نمبردار گنٹڈی — حبیب نمبردار امرخانہ

نوبت نمبردار امرخانہ — حسن علی نمبردار گدوالیاں — آدم ساکن پیپل

شیر بیگ ساکن پیپل

مگر قوم عثمان زئیوں سے

مشوانیوں کی آزادی کی یوں بھی ایک روایت ہے کہ اکبر بادشاہ کے دوران سلطنت میں بمقام اٹک سب اقوام پر جوبات مقرر کئے گئے تھے جس میں سری کوٹ کے مشوانیوں پر دو روپیہ اور ایک شاہڑی فصلانہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ مشوانی قوم نے کئی ایک فصل اپنا جوب ادا کیا چونکہ سری کوٹ سے آکر اٹک میں جوب داخل کرانے میں تکلیف ہوا کرتی تھی اور اس سفر سے ہر ایک پہلو تہی کیا کرتا تھا اس نے قوم نے اس جوب کے پہنچانے کے لئے ایک بے وطن شلمانی نام شخص کو مقرر کیا۔ جب شلمانی دو تین فصل کے جوب داخل کر چکا تو آخر اس نے بادشاہ موصوف کی عدالت میں خفیہ ایک درخواست دی کہ جوب میں ہی قوم سے وصول کیا کرتا ہوں اور وہ علاقہ جو سری کوٹ سے موسوم ہے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور میں سرکار کا وفادار ہوں لہذا ملتمس ہوں کہ بطور انعام یہ جوبات مجھے عطا فرمائے جاویں۔

بغیر کسی صلاح کے اس کی درخواست منظور کی گئی۔ اسکو عدالت سے ایک پروانہ بھی ملا کہ سری کوٹ کے جوبات شلمانی کو انعام دیدیئے گئے۔ چونکہ وہ بے وطن آدمی تھا اسے خطرہ تھا کہ اگر اس چالاکی کا قوم کو پتہ لگا تو اس کی خیر نہیں اس لئے اس نے بالا بالا جاکر وہ پروانہ غلام خیل افغانیوں پر فروخت کر دیا۔ پس غلام خیل اگر مشوانیوں سے بہاولی وصول کیا کرتے تھے اور خاص کر اس کام کے لئے محب خان نام ایک پٹھان غلام خیلوں کی طرف سے متعین تھا۔ اور مشوانیوں کی طرف سے شیر شاہ نمبردار

مقرر تھا تاکہ وقت مقررہ پر جوبات کی ادائیگی میں فرق نہ پڑے

ایک واقعہ

ایک روز مشوانیوں کے مستورات برائے چیدن پنبہ جھارو یعنے گدوالیاں گئی ہوئی تھیں واپسی پر رستہ میں ان کو گھپال پہلوان ہندوان اور محمد نور مسلمان ملے جو محب خان کے آدمی تھے۔ ان تینوں نے رستہ میں مستورات سے پنبہ چھین کر اندازاً وزن کیا تاکہ پنبہ کی بہاولی بھی گاؤں میں جاکر وصول کریں۔ جب مستورات نے جاکر حال بیان کیا تو مشوانی غضبناک ہوئے۔ اسی بنا پر شیر شاہ نمبردار مشوانی اور محب خان افغان کی مخالفت پیدا ہوئی۔ مشوانیوں نے خفیہ جرگہ کرکے یہ فیصلہ کیا کہ گھپال پہلوان اور محمد نور اگرچہ سرکاری ملازمان ہیں مگر ہم انتقام لینے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ہی دن میں ان کا کام تمام کرنا چاہیئے۔ ایک روز گھپال ہری پور جانے لگا مشوانیوں نے رستہ میں جاگھیرا اور کھرڑی کہو ڈھکی سے نیچے گراکر اس کا کام تمام کیا۔ جب وہ آئے اور گاؤں میں حال بیان کیا تو باقی لوگوں نے رات کو جاکر پہلوان کھتری کو مار ڈالا۔ جو علی محمد دھوبی کے گھر رہتا تھا۔ اور محمد نور کو خفتن کے وقت ڈھیری مسجد میں قتل کیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ خبر بجلی کی طرح گرد و نواح علاقہ میں پھیلی۔

محب خان افغان اور شیر شاہ نمبردار مشوانی

محب خان نے شیر شاہ نمبردار سے پوچھا کہ گھپال کھرڑی کہوہ میں مرا پڑا ہے۔ شیر شاہ نے کہا کہ پہاڑی ملکوں میں اکثر ایسے واقعات ہو جایا کرتے ہیں گر کر مر گیا ہوگا پھر محب خان نے کہا کہ پہلوان کھتری علی محمد دھوبی کے گھر مرا پڑا ہے۔ شیر شاہ نے کہا کہ ہندو نازک طبع ہوتے ہیں اور پہلوان حریص شکم تھا اپنی نازک مزاجی کی پرواہ نہ سمجھ کر تیل کا حلوا کثرت سے کھا گیا اور حلوا ہی اس کا باعث موت بنا۔

پھر محب خان نے کہا کہ محمد نور ڈھیری مسجد کے اندر مرا پڑا ہے۔ شیر شاہ نے

کہا کہ اُس مسجد میں جنات بکثرت ہیں۔ جناتوں کے خوف سے مرگیا ہوگا۔ محب خان سمجھا کہ اب یہاں رہنا مشکل ہے اس لئے اس لئے وہ گھوڑے پر زین لگاکر روانہ ہوا شیر شاہ نے کہا کہ کدھر جاتے ہو؟ کہنے لگا کہ بس سری کوٹ آپ کو مبارک ہو۔ اُس دن سے آج تک سری کوٹ واقعی مشوانیوں کے لئے مبارک ہوا۔ اور کامل آزادی کے مالک ہوئے۔

قسمِ سوم

مشوانی کا سابقہ مقام وجائے پیدائش غوزہ مرغے علاقہ غزنی ہے۔ جب سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو مشوانی بھی اس کی امدادی فوج میں شامل تھے۔ علاقہ پشاور و یوسف زئی کو فتح کرکے دریائے اباسندھ کو عبور کرکے ہزارہ پہنچا۔ جب سری کوٹ پہنچا تو اس وقت سری کوٹ تو ایک غیرآباد جگہ تھی مگر گرد و نواح میں کافروں کی مفصلہ ذیل بستیاں تھیں:-

خہر کنڈاؤ۔ عثمان مانی۔ کنجر و کنڈرے۔ سلطان موصوف نے کافروں کو مغلوب کرکے اخراج کا حکم دیا اور مشوانیوں کو ان کے علاقوں پر قبضہ دیکر سری کوٹ میں آبادی کا حکم دیا۔

اگرچہ حالاتِ آبادی

سری کوٹ میں قدرے اختلافات پائے جاتے ہیں تاہم قریباً قریباً سب درست ہیں۔ البتہ میر سید محمد گیسو دراز صاحب یا اولادش مشوانیوں کا ہمراہ سلطان محمود غزنوی اگر سری کوٹ میں آباد ہونا درست نہیں کیونکہ ولادت سلطان محمود غزنوی اکثر کتب تواریخ میں شب عاشورہ ۳۵۷ھ مرقوم ہے اور ولادت سید محمد گیسو دراز صاحب ۴ رجب المرجب ۷۲۱ھ مرقوم ہے۔ تو اس حساب سے اگر سالوں کا مقابلہ کیا جائے تو ۳۶۴ تین صد چونسٹھ سال سلطان موصوف قبل از میر سید محمد گیسو دراز صاحب

پیدا ہوا۔ اور اگر تواریخ وفات کا مقابلہ کیا جائے تو صرف سالوں کے حساب سے ۳۰۰ تین صد سال قبل از میر سید محمد گیسو دراز صاحب سلطان محمود غزنوی نے وفات پائی کیونکہ تاریخ وفات سلطان ممدوح ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ بروز پنجشنبہ بعمر ۶۳ سال تواریخ فرشتہ میں مرقوم ہے۔ اور تاریخ وفات حضرت سید محمد گیسو دراز صاحب ۱۱ ماہ ذیقعدہ ۸۲۵ھ ہجری بعمر ۱۱۰ سال تحریر ہے۔ اس کے علاوہ سلطان محمود غزنوی نے جو جو حملے ہندوستان پر کئے ہیں وہ سب کے سب سید موصوف کی پیدائش سے پہلے کے ہیں۔ جن میں سے چند ایک برائے ملاحظہ ناظرین کرام درج ذیل ہیں:-

۳۹۰ھ کو سلطان محمود متوجہ ہندوستان ہوا۔

۳۹۱ھ میں پشاور پر حملہ آور ہوا۔

۳۹۵ و ۳۹۶ھ کو ملتان پر حملہ کیا۔

۴۰۲ھ کو قلعہ تھانیسر پر۔

۴۰۶ھ کو کشمیر کے قلعہ لوہ کوٹ پر۔

۴۰۹ھ ” قلعہ قنوج و میرٹھ پر۔

۴۱۲ھ ” راجہ انند کالنجر۔ راجہ جیپال کے پوتے کے ساتھ لڑائی کی۔

۴۱۳ھ ” گوالیار پر حملہ کیا۔

۴۱۵ھ ” سومنات کے مندر پر چڑھائی کی۔

علاوہ اس کے سید محمد گیسو دراز صاحب کا خود بنفس نفیس کسی بادشاہ کے ساتھ اگر سری کوٹ میں آباد ہونا بھی درست نہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنی اولاد مشوانی وردگ، ہنی وغیرہ کو بحالت طفلی غوزہ مرغے میں چھوڑ کر متوجہ ہندوستان ہوئے اور باقی عمر یادِ الٰہی میں گذاری جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئیگی۔

قسمِ چہارم - قوم مشوانی کا سری کوٹ میں آباد ہونے کی ایک یوں

بھی روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ مشوانی (غوڑہ مرغئی) سے ہمراہ محمود برائے حملہ ہندوستان روانہ ہوئے، دریائے اباسندھ کو عبور کرکے ہزارہ پہنچے۔ اس وقت سلطان موصوف کے ساتھ علاوہ قوم مشوانی کے قوم جدون بھی امدادی جنگ میں شامل تھے۔ مقام شیخو بانڈی متصل چھاؤنی ایبٹ آباد کو فتح کرکے مشوانیوں کے حوالہ کرکے رہائش کا حکم دیا گیا۔ اور دھمتوڑ فتح کرکے قوم جدون کو رہنے کا حکم دیا گیا۔ مشوانیوں نے شیخو بانڈی کو پسند نہ کرکے میدان ہزارہ میں آکر مقام پہاڑ و علاقہ بکہ کو آباد کیا۔ مال مویشی کو برائے چرانے بھامرہ لایا کرتے تھے جو اس وقت ایک غیر آباد اور جنگل تھا۔

ایک واقعہ

ایک روز علاقہ یوسف زئی کے چوروں کا ایک گروہ آکر بھامرہ یعنی میراگڈوالیان سے مشوانیوں کا مال چرا کرلے گئے۔ جب یہ خبر بکہ پہنچی تو مشوانی چوروں کے تعاقب کے لئے دوڑے۔ جب براستہ سری کوٹ ہلکہ چونتڑی پہنچے تو اُس وقت چور چنر کنڈاؤ جو سری کوٹ او چونتڑی کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور زمانہ گذشتہ میں یہاں ایک شہر آباد تھا پہنچے۔ مشوانیوں نے اردگرد کے پہاڑوں کے چوٹیوں سے اُن پر تیر برسائے۔ چور کچھ مجروح ہوئے کچھ مارے گئے باقی بھاگ گئے اور مال مویشی کو وہیں چھوڑ گئے۔ مشوانی جب واپس ہوئے اور وہاں پہنچے جہاں اب سری کوٹ کا گاؤں آباد ہے۔ تو یہ جگہ انہیں خوش آئی۔ پہاڑ کی چوٹی پر کچھ حصہ زمین کا ہموار ہونا۔ گھاس لکڑی کا بکثرت ہونا پانی کے نالے بہتے ہوئے سرسبز اور مورچہ شکل پہاڑی پہاڑ کے سرے دریائے اباسندھ کے پیچ و خم لہریں اور اردگرد علاقہ یوسف زئی و ہزارہ کے میدانوں کے نظارہ نے اور بھی انہیں یہاں رہنے پر مجبور کیا۔ الغرض وہ بکہ پہنچے اور اپنے تمام کنبہ کو ساتھ لاکر سری کوٹ میں آباد ہوئے تب سے آباد ہیں اور کوہ گنگر لے کر تربیلہ تک اور میدان ہزارہ میدان یوسف زائی و میدان چھچھ تک کے

علاقے پر قابض ہوئے جو آجتک قابض و مالک و خود مختار ہیں۔

مشوانیوں کی نسبت مسٹر جے کوٹمین کی رائے

سابق سپرنٹنڈنٹ پولیس ہزارہ مسٹر جے کوٹمین نے مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو آکسفورڈ انگلینڈ میں اخبار مانچسٹر گارڈین کو مفصلہ ذیل بیان برائے اشاعت دیا۔

منجملہ اُن تمام اقوام کے جو جھنڈا انگریز کے ماتحت آباد ہیں۔ کسی نے اتنی امداد نہیں دی جتنی کے پٹھانوں کے چھوٹے سے فرقہ مشوانیان نے بوقت تاریکی حکومت انگریزی کے ساتھ کی ہے تاہم اُن افسران انگریزی کے جو ۵۰ میل کے اندر اندر ان لوگوں سے رہتے ہیں کئیوں نے ان کے نام سُنے ہوں گے۔ اُن میں سے ایک درجن بھی اُن کے حالات ایک سے دو تک نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ ۷۰ سال کا عرصہ ہوا ہوگا جب سے پنجاب و سرحد ہمارے ہاتھ میں پڑے ہیں یہ لوگ ہمارے ساتھ وفادارانہ اور از حد زیادہ محبت سے ہمارے دوش بدوش بہ نسبت کسی دوسرے فرقہ کے ہندوستان میں لڑتے رہے۔ ایک یا دو ہندوستانی رسالے اور ۹۲ پنجابی رجمنٹ و ہزارہ کی فرنٹیر کنسٹبلری و ہزارہ پولیس ان کو اپنی رینک میں اچھی جگہ دیتے ہیں۔ دوسری فوجیں بھی ان کو بڑی خواہش سے بھرتی کرتے ہیں لیکن مشوانی رنگروٹوں کی تعداد بدقسمتی سے حدبندی میں رکھی گئی ہیں۔ تمام فرقہ مرد و عورتیں بچے سفید ریش اور شیر خوار ۳۰۰۰ تین ہزار سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے۔ مرد تمام فوجوں و کنسٹبلری اور پولیس میں ملازم ہیں۔ گھر پر کوئی مشوانی نوجوان نظر نہیں آتا مگر وہی جو رخصتی سپاہی ہو نظر آئیگا۔ مشوانیوں کا صرف ایک گاؤں ہے جو سری کوٹ کہلاتا ہے جو بمعہ اپنی جھونپڑیوں کے اونچی اور چٹیل چٹانوں پر پہاڑی پر واقع ہے۔ اس کے مغربی جانب دریائے سندھ بہانہ غازی کے ساتھ ٹکراتا ہوا جاتا ہے۔ اور مشرقی طرف ہری پور کی زرخیز میدان اور علاقہ کشمیر کی اونچی

سڑکیں دکھائی دیتی ہیں یہ ایک خشک اور بنجر جگہ ہے اور قوم تارخیلی کے علاقہ سے کم پھیلدار ہے۔ یہ تارخیلی وہ قوم ہے جو مشوانیوں کے ناقابل اور موروثی دشمن ہیں۔ یہ قوم، مشوانی اور دریائے سندھ کے درمیان رہتی ہے۔ سری کوٹ کی سخت چڑھائی اور اوپر کو چڑھنا سخت دشوار ہے۔ مگر اس کی چوٹی سے گرد و نواح کا ملاحظہ ان تمام تکالیف کو دور کر دیتا ہے۔ مشرقی اور مغربی آنکھیں پشاور و پنجاب کے غیر محدود میدانوں پر پڑتی ہیں اور شمالی جانب کو بترتیب پہاڑوں کے سلسلے جو لگاتار اونچائی پر ہیں۔ یہانتک کہ یہ کشمیر کے پہاڑوں اور وسط ایشیا کے مدامی برفانی پہاڑوں سے جا ملتے ہیں۔ ہر ایک انگریز سری کوٹ میں معزز مہمان ہے اور تمام فرقہ اچھے لباس میں ملبوس ہو کر استقبال کے واسطے قومی جھنڈے وسُرنا اور ڈھولوں کے ساتھ بندوقیں لیکر گھوڑوں پر سواری کرتے ہوئے میدان استقبال میں آ ملتے ہیں۔ حقیقت میں وہ ایک فوجی نمائش ہوتی ہے۔ مشوانی قابل رشک ہیں۔ میں نے کوئی مشوانی پست قد نہیں دیکھا خصوصاً اُن میں سے جو ہزارہ پولیس میں میرے ماتحت تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ کوئی مشوانی ۶ فٹ سے کم قد کا ہو۔ حقیقت میں تشبیہ کے طور پر عبدالعزیزؒ سوار لائف گارڈ کے دستوں میں اول نمبر ہے۔

البتہ مشوانیوں کا سری کوٹ میں آباد ہونا

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی فاتح ہندوستان کے وقت میں قابل اطمینان ہو سکتا ہے کیونکہ شاہ موصوف ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ ۴۰ برس کے قریب قریب لڑائی جھگڑوں میں ہی مبتلا رہا۔ زمانہ کے انقلاب نے اسے خوب تجربہ کار بنا دیا۔ بلکہ وہ ایک باحیثیت جفاکش سپاہی تھا۔ وہ خود تزک بابری میں رقمطراز ہے کہ کبھی تو میری سلطنت دور و دراز تک پھیلجاتی تھی اور کبھی میں ایسا لاچار اور بے بس ہو جاتا تھا کہ بھاگنے کیلئے جگہ نہ ملتی تھی۔ اس نے کبھی استقلال کو مصیبت میں ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ

گئی ہوئی سلطنت کو چند روز ہی میں حاصل کر لیتا تھا۔ وہ صوبہ سرحد کو فتح کرکے پانی پت پر چڑھائی کے لئے روانہ ہوا۔ سرحدی علاقہ میں ہزارہ کا بہت سا علاقہ غیر آباد پڑا ہوا تھا اپنے ساتھ جو مجاہدین لایا تھا انہیں اس علاقہ میں رہنے کا حکم دیدیا تاکہ مدت تک یہ ملک اس کے قبضہ میں رہے۔ اس وقت اس کا جنگی کیمپ گولڑہ تھا جو آجکل گولڑہ شریف سے موسوم ہے۔ خود متوجہ ہندوستان ہوا اور باقی عمر تمام وہاں کی جدوجہد میں گذاری۔ اس لئے یہ علاقہ خود مختار تصور ہونے لگا۔ اُس وقت پانی پت میں سلطان ابراہیم حکمران تھا۔ محمد بابر بادشاہ کا بڑا بیٹا فوراً آگے کیطرف بڑھا۔ جونپور تک پورا ملک فتح کر لیا یہ واقعہ ۱۵۲۶ء کا ہے۔ اور اسی سال سے محمد بابر بادشاہ کی سلطنت ہند میں مستحکم ہو گئی۔ بابر کے انتقال کا حال بہت عجیب ہے۔ اس کا بڑا بیٹا ہمایون سخت بیمار تھا چونکہ اس کی جانبری کی امید ساقط ہو گئی تھی بابر نے ایشیائی رسم کے مطابق اپنی قیمتی جان اپنے بیٹے کے لئے تصدق کرنا چاہی۔ چنانچہ وہ تین بار ہمایون کے پلنگ کے چاروں طرف پھرا اور بآواز بلند کہا۔ یاالٰہی ہمایون کی بیماری مجھے لگ جائے اور اسکو صحت عطا فرما۔ اسکے بعد اس کو اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہو گیا۔ بابر بیمار پڑ گیا اور ہمایون صحت یاب ہوا۔ بابر نے بچوں وزیروں وغیرہ اہلکاروں کو اتفاق سے رہنے کی نصیحت کی اور خود ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو وفات پا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس کی لاش کابل لیجا کر دفن کیگئی اور ایک اعلیٰ باغ میں خوشنما مقبرہ بنایا گیا جس باغ میں وہ مدفون ہے وہ باغ ابھی باغ بابر سے موسوم ہے۔ کابل سے بطرف مغرب بفاصلہ ۲½ میل برابستہ دارالامان سڑک شاہی کے بائیں طرف بسمت جنوبی واقع ہے۔ سہ

یہ عیش و عشرت و کامرانی کبتک عشرت بھی ہوئی تو کامرانی کبتک
ہو یہ بھی اگر قیام دولت ہے محال دولت بھی ہوئی تو زندگانی کبتک

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہمایون شاہ ۱۵۳۰ء کو

تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اور ۱۵۵۶ء کو وفات پائی۔ یہ سولہ برس تک سلطنت سے جُدا رہا۔ اسنے قنوج کے مقام پر شیر خان سوری سے جو بہ لقب شیر شاہ بنگالہ میں حکومت کرتا تھا۔ لڑائی کی۔ شیر شاہ اس کے مقابلہ کیلئے آناً فاناً آپہنچا۔ ہمایوں ایسا بدحواس ہوا کہ ایران کی طرف ۱۵۴۳ء کو بھاگا۔

شاہ طہماسپ والئ ایران

نے ایک معقول فوج برائے امداد ہمایوں کے ساتھ کرکے پھر ہندوستان پر حملہ کیا۔ ہمایوں نے اپنا گیا ہوا ملک اور تخت پھر حاصل کیا۔ ہمایون کا ہندوستان میں داخل ہونے کے ۶ ماہ بعد ۱۵۵۶ء میں انتقال ہوا۔

جلال الدین محمد اکبر شاہنشاہ ہندوستان

اکبر مغلیہ خاندان کا تیسرا بادشاہ تھا۔ قلعہ اٹک اس کا بنایا ہوا ہے اس کے زمانۂ سلطنت میں افواج مغلیہ نے تمام شمالی ہندوستان اور علاقہ ہزارہ یوسفزئی فتح کرلیا۔ اس طرح اس کی سلطنت چتوڑ۔ گجرات۔ بہار۔ بنگال۔ اڑلیسہ۔ کشمیر ہزارہ یوسف زئی۔ سندھ۔ قندہار۔ احمد نگر۔ خاندیس۔ برار وغیرہ تک وسیع ہوئی اکبر ہر دلعزیز بادشاہ تھا۔ ہندوؤں مسلمانوں سے یکساں برتاؤ کیا کرتا تھا۔ اکبر کو ۱۶۰۵ء میں ایک مہلک بیماری نے دبایا۔ اسنے اپنے بعد سلطنت کے لیے شاہزادہ سلیم جہانگیر کو منتخب کیا۔ نورالدین محمد جہا۔ شہاب الدین۔ محمد شاہ جہان صاحبقران ثانی۔ محی الدین اورنگ زیب محمد عالمگیر۔ یعنے اکبر کا بیٹا پوتا پڑپوتا جو یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے یہ نہایت زبردست اور عقلمند حکمران گذرے ہیں۔ مگر اکبر کے بعد علاقہ ہزارہ و یوسف زئی پر ان کا چنداں تصرف نہ تھا۔ خوفِ طوالت کے مفصل حالات قلم انداز ہیں

سلطنت مغلیہ کا زوال

اورنگ زیب کے مرتے ہی اسکے بیٹوں میں سلطنت کے لئے نزاع برپا ہوئی۔ آخر محمد معظم

اورنگ زیب کے دوسرے بیٹے نے دونوں بھائیوں کو مار کر تخت حاصل کیا اور بہ لقب بہادر شاہ مشہور ہوا۔ اسے شاہ عالم اول بھی کہتے ہیں۔ اسکے بعد اس کا بیٹا معزالدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا۔

معزالدین جہاندار شاہ

نے اپنے بھائیوں کو چُن چُن کر قتل کیا۔ مگر بہادر شاہ کا پوتا فرخ سیر جو بنگالہ کا حاکم تھا اس کے ہاتھ نہ آیا۔ بعدازاں اس نے دو زبردست لڑائیوں کے بعد جہاندار شاہ کو آگرے کے قریب شکست دی اور خود سریر آرائے سلطنت ہوا۔ چھ سال تک بادشاہ رہا۔ یہ وزیروں کی سازش سے قتل ہوا۔ اسکے بعد بہادر شاہ کے تین بیٹے یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ ان کے بعد محمد اختر ابن بہادر شاہ کا بیٹا روشن اختر ملقب محمد شاہ تخت نشین ہوا۔

ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ عرف رنگیلا

اس کے عہد سلطنت میں سید عبداللہ خان قطب الملک وزیر اور سید حسین علی خان امام الملک سپہ سالار فوج یہ دونوں بھائی سید تھے اور سلطنت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ جبتک یہ رہے بادشاہ اگرچہ ناتجربہ کار تھا۔ مگر ان کے مساعی جمیلہ کیوجہ سے تمام عیوب سے بچا رہا۔ لیکن باقی امراء افغان اور ترک تھے خفیہ ان دونوں بھائیوں سے حسد کیا کرتے تھے۔

ایک روز محمد شاہ بادشاہ مہم دکن پر جانے لگا تو سید حسین علیخان کو اپنے ساتھ کرلیا۔ اور سید عبداللہ خان کو دہلی چھوڑا۔ جب بادشاہ مع فوج دہلی سے دور نکل گیا تو اُس وقت سید حسین علیخان ایک پالکی میں سوار تھا۔ میر حیدر خان نے نزدیک آکر اچانک چھرا اسکے پیٹ میں گھونپ دیا۔ جس کے کاری زخم سے سید موصوف جان بر نہو سکا۔ جب سید عبداللہ خان کو دہلی میں چھوٹے بھائی کے

انتقال کی خبر پہنچی تو اس نے جھٹ قلعہ کے قید خانہ سے شاہزادہ ابراہیم خلف
رفیع القدر کو نکال کر بادشاہ بنایا اور اس کو لے کر محمد شاہ پر فوج کشی کر لی مگر ۱۳ ار
محرم الحرام ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۳ ار نومبر ۱۷۳۰ء ابراہیم کے لشکر کو شکست فاش ہوئی
سید عبد اللہ خان گرفتار ہو کر عمر بھر کے لیئے قید ہوا جب بادشاہ کے لئے لائن صاف
ہوا تو اس کی رنگین مزاجی نے اُبھرنا شروع کیا اور عیش و عشرت کے دریا میں ایسا ڈوبا
کو پھر کسی بات کی خبر نہ رہی۔ ایسے دربار میں شعراء اور لطیفہ گوئیوں کی کیا کمی تھی ہر فن کے
استاد موجود ہو گئے۔ جب بادشاہ رنگین مزاج تھا تو اراکین کیوں نہ ہوتے ملک کا
انتظام امراء و وزراء کے سپرد کر دیا گیا۔ جن کا جو جی چاہا سو کیا۔ بادشاہ اگرچہ ضعیف
العمر تھا مگر اس کی طبیعت ہر وقت لہو لعب کی طرف مائل رہتی تھی۔ رات دن سارنگیاں
اور طبلے بجا کرتے تھے چنانچہ یہ شعر اُنہی کا فرمودہ ہے ؎

پیری میں نہ کس طرح کروں سیر جہاں کی
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گذری کا

نادر شاہ کا ہندوستان پر حملہ

نادر ایک لٹیروں کے گروہ کا سردار تھا۔ شاہ ایران نے اسے فوج میں بھرتی کر لیا
رفتہ رفتہ درجہ سپہ سالاری کو پہنچا۔ اُس وقت شاہ ایران کا ملک مشرق کی طرف
سے افغانوں نے مغرب کی طرف سے ترکوں نے اور جنوب سے عربوں نے دبانا
شروع کیا۔ مگر نادر نے اپنا رنگ دکھا ہی کے چھوڑا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مخالفین سے
ملک کو پاک کر کے سلطنت ایران کو مضبوط بنا دیا۔ شاہ ایران نے بخوشی خود تخت
سلطنت نادر کے حوالہ کرنا چاہا مگر نادر نے قبول نہ کیا جب خاندان صفویہ کا خاتمہ
ہوا تو بڑے شان و شوکت سے تخت سلطنت پر بیٹھ کر اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔
جس پر یہ اعلان کندہ تھا :-

نادرم بر ملک ایران قادرم بر ہر دیار
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

نادر نے تخت سلطنت کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی مذہب تبدیل کر کے شیعہ سے
سُنی ہو گیا۔ اس طریقہ افغانوں اور ترکوں کو دوست بنایا۔ ایران سے قندھار
تک ملک کو زیر نگین کر کے کابل کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس وقت کابل میں سلطنت
ہندوستان کی طرف سے صوبیدار رہتا تھا اور افغان جب فرار ہوتے تھے تو کابل
یا ہندوستان آکر محمد شاہ کے پاس پناہ گزین ہوا کرتے تھے۔ اس لئے نادر نے بذریعہ
ایلچی کے محمد شاہ کو اطلاع دی کہ وہ افغانوں کو پناہ نہ دے۔ مگر وہ بیچارہ سارنگیوں اور
طبلوں کے سُروں میں ڈوبا ہوا تھا پروا و قدر نہ کی۔ نادر نے مجبور ہو کر ہندوستان پر
چڑھائی کر دی اور چند معمولی معرکوں کے بعد بلا روک دہلی پہنچا۔ جیسا امام ویسا
مقتدی والی مثال درست ہے۔ محمد شاہ کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ نادری دریا جوش
میں آکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ جب محمد شاہ کو خواجہ سرا سے معلوم ہوا کہ اس کی باپ
دادا کی رعیت تباہ ہو گئی تو آب دیدہ ہو کر کہا ؎

دیدۂ عبرت کشا و قدرتِ حق را ببین
شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

محمد شاہ نے ننگی تلوار گلے میں لٹکائی اور تعظیم سے نادر کے سامنے کھڑا ہوا۔
نادر نے پوچھا چہ میخواہی؟ عرض کی ؎

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کُشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کُشی

نادر نے نشرما کر کہا "بریش سفیدت بخشیدم"۔ فوراً امان ہو گئی۔ نادر دو
ماہ دہلی میں رہا۔ کافی دولت اس کے ہاتھ آئی۔ جاتے وقت تخت طاؤس بھی لیگیا

مگر واہ رے محمد شاہ۔ باوجود تباہ ہوئے سلطنت و رعایا کے بھی اس کے رنگ رلیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ آخر محمد شاہ ۳۰ برس سلطنت کیا بلکہ عیش و عشرت کرکے اور خاندانِ تیموریہ کو پورے زوال پر پہنچا کر ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ کو بمرض استسقاء ہمیشہ کیلئے دنیا کو الوداع کیا۔

احمد شاہ بن محمد شاہ

نادر شاہ سنہ ۱۱۱۰ھ مطابق سنہ ۱۶۹۸ء کو پیدا ہوا اور جمادی الثانی سنہ ۱۱۶۰ھ ہجری مطابق جون سنہ ۱۷۴۷ء کو مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اُس کے ایک فوجی افسر احمد خان ابدالی نے غزنی و قندہار پر تسلط کرلیا۔ اسکو دُرانی بھی کہتے ہیں اور اپنا لقب احمد شاہ ابدالی مقرر کرکے حکمرانی شروع کی۔ ایک جرار لشکر تیار کرکے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ بمقام سرہند پہنچکر میرزا احمد ولیعہد بن محمد شاہ رنگیلا کے ساتھ زبردست مقابلہ کرکے شکست کھاکر واپس کابل چلا گیا۔ شاہزادہ جب پانی پت پہنچا تو اس کو باپ کے انتقال کی خبر پہنچی۔ چنانچہ جمادی الاول سنہ ۱۱۶۱ھ کو ۲۰ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اسکی تخت نشینی کے ایک سال بعد احمد شاہ ابدالی پھر چڑھ آیا۔ اب کے دفعہ اپنے ہمنام بادشاہ یعنے احمد شاہ بن محمد شاہ سے صوبہ پنجاب لے کر واپس چلا گیا۔ نظام الملک غازی الدین صفدر جنگ ایک بڑا فتنہ پرداز شخص تھا۔ اس نے سنہ ۱۷۵۷ء میں پنجاب کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کرنا چاہا۔ اس لیئے احمد شاہ ابدالی غصہ میں بیتاب ہوکر تیسری مرتبہ پھر حملہ آور ہوا۔ دہلی کو تاراج کرکے نواب نجیب الدولہ روہیلہ کو وزیر مقرر کرکے واپس کابل گیا۔ ابدالی کی واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد غازالدین خان نے مرہٹوں کی مدد سے نجیب الدولہ کو نکال دیا اور مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کردیا۔ مرہٹوں کی اس ناشائستہ حرکت سے احمد شاہ چوتھی مرتبہ پھر آیا۔ پانی پت پر مرہٹوں کو ایسی

شکست دی جو وہ کبھی فراموش نہیں کریں گے اور دہلی پر احمد شاہ کا تسلط ہوا اب احمد شاہ کو گئے ہوئے دو برس بھی نہ ہوئے تھے کہ غازی الدین غدار نے احمد شاہ بن محمد شاہ رنگیلا کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر کر قید کردیا۔ اس احمد شاہ نے ۶ برس ۱۰ ماہ حکومت کی۔ مگر اس کے قبضہ میں چند ضلع رہ گئے تھے۔ گجرات پر مرہٹوں نے قبضہ جمالیا بنگال اڑیسہ۔ بہار پر علی وادی خان کے جانشین قابض تھے۔ اودھ پر صفدر جنگ وسط دوآبہ پر بنگش۔ روہیلکنڈ پر روہیلے۔ پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا راج تھا۔ دکن میں نظام کی اولاد موجود تھی۔ مدراس اور بنگال کی طرف سے انگریز قدم جماتے چلے آرہے تھے۔

شاہ عالم ثانی

احمد شاہ کے بعد شاہ عالم ثانی تخت نشین ہوا۔ مگر صرف برائے نام۔ اس کے پاس نہ ملک نہ کافی فوج تھی۔ آخر کار سرکار انگریزی کا پنشن خوار ہوکر رہنا منظور کیا اور سنہ ۱۸۰۳ء تک انگریزوں نے دہلی فتح کرلیا۔ ہاں سنہ ۱۷۸۸ء میں تھوڑے دنوں کیلئے پھر افغانوں کا زور ہوگیا۔ چنانچہ شہر دہلی روہیلوں کے قبضہ میں آگیا۔ انہوں نے شاہ عالم کو بھی قید کرلیا۔ غلام قادر خان ظالم نے یہ نامعقول حرکت کی کہ اول تو شاہ کے بیٹوں پوتوں کو بے بس بادشاہ کے سامنے انواع و اقسام کی تکالیف پہنچائیں۔ اور بچارے ضعیف بادشاہ کی آنکھیں نکال ڈالیں۔ تھوڑے مدت کے بعد مرہٹوں نے آکر افغانوں سے بادشاہ چھوڑا کر اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اور مہاراجہ گوالیار نے اسی غلام قادر ظالم کا سر کاٹ کر شاہ عالم کے قدموں پر رکھنے کیلئے دہلی بھیجدیا۔ غلام قادر نے جو جو ظلم کیئے تھے اس کے آگے آئے۔ سنہ ۱۸۰۳ء کو لارڈ لیک نے مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرکے شاہ عالم کو ان کے پنجہ سے چھڑا کر برٹش گورنمنٹ کی طرف سے وظیفہ مقرر کردیا۔ اس طرح سے ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ آئی۔

معین الدین اکبر ثانی

شاہ عالم کے بعد اس کا بیٹا معین الدین اکبر ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ بھی انگریزوں کا پنشن خوار رہا۔ اس کے بعد سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ جانشین ہوا وہ سنہ ۱۸۵۷ء میں باغی فوج سے ملگیا جس کی پاداش میں تمام عمر کیلئے بطور نظر بند برٹش گورنمنٹ کی طرف سے رنگون بھیجدیا گیا اور وہیں مرگیا۔ اس طرح ہندوستان سے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں نے ڈیرے لگائے خدا خیر کرے۔

سکھوں کے حالات

سکھ مذہب کا بانی گورو نانک صاحب ہیں جو بعہد بابر بادشاہ لاہور سے چند میل کے فاصلہ پر دریائے راوی کے کنارے موضع تلونڈی میں سنہ ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا باپ پٹواری تھا۔ باپ کے کہنے سے شادی کی۔ اولاد بھی ہوئی مگر انکی طبیعت امور خانہ داری کی طرف چنداں مائل نہ تھی۔ آخر دنیا سے قطع تعلق کر کے سیر و سیاحت میں زندگی گذاری۔ انہوں نے ہندو مسلمانوں کو متحد کرنے کی غرض سے اپنے خاص دین کی تلقین شروع کی۔ ایک چیلہ مسلمان مردانہ نام ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ گورو نانک صاحب نے نماز بھی پڑھی اور مکہ معظمہ حج کرنے کیلئے بھی گئے۔ گورو نانک صاحب نے اپنی اولاد میں سے کسیکو گدی نشین نہ کیا بلکہ اپنے ایک چیلے انگد کو منتخب کر کے اس کو سنگھ کا خطاب دیا جس کے بعد سکھوں کی قوم ہی سنگھ لفظ سے مفہوم ہونے لگی۔

پانچویں گورو ارجن نے گورو نانک صاحب کی تصانیف اور دیگر گوروؤں کے کلام کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا جس کا نام آدھی گرنتھ مشہور ہے۔ اس گرنتھ کا مشہور حصہ جپ جی صاحب ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں بھگت کبیر اور شیخ فریدا

یعنے بابا فرید صاحب کے کلام بھی درج ہیں اور گورو گوبند صاحب نے گرنتھ صاحب میں اپنا بہت سا کلام بھی ایزاد کیا جو ہندی میں ہے۔ گورو نانک صاحب خدا کی وحدانیت کے قائل تھے اور یہی تلقین کیا کرتے تھے۔ آخر سنہ ۱۵۳۵ء میں بمقام کرتار پور عالم جاودانی کو رحلت کر گئے۔

گورو نانک صاحب کے بعد

جتنے گورو ہوئے وہ اس مذہب کو تلقین کرتے رہے اور یہ مذہب مالوہ اور مانجھہ کے جاٹ میندلروں میں آہستہ آہستہ پھیل گیا۔ مگر گورو گوبند صاحب نے سکھ جماعت کو منظم کر کے ایک فرقہ بنادیا۔ شاہ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں وزرا کی سازش سے گورو گوبند سنگھ صاحب کا والد قتل کر دیا گیا تھا۔ اس لئے گورو گوبند صاحب کو مسلمانوں سے انتقام لینے کی فکر تھی۔ آخر گورو گوبند صاحب ایک مصلحت کے خیال سے بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی فوج کے ہمراہ دکن کی مہم پر گئے۔ مگر دریائے گوداوری کے کنارے بمقام نادرہ سنہ ۱۷۰۸ء میں ایک افغان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

بادشاہ احمد شاہ ابدالی

احمد شاہ ابدالی ہی دُرانی لفظ کے ایجاد کا بانی ہے۔ سکھوں نے اس کو بہت تنگ کیا تھا۔ جب وہ پنجاب میں آتا تھا تو یہ اسکی فوج کے پاس منڈلاتے رہتے تھے۔ جب موقعہ پاتے تھے تو لوٹ گھسوٹ کر کے پہاڑوں غاروں میں جا چھپتے تھے۔ آخر سنہ ۱۷۶۳ء میں جب احمد شاہ ابدالی پھر پنجاب میں آیا تو کابلی مل کو لاہور کا نائب مقرر کر کے کابل چلا گیا سکھوں نے احمد شاہ کے جانے کے بعد لاہور پر حملہ کر کے کابلی مل کو بھگا دیا اور لاہور کی حکومت لہنا سنگھ۔ گوجر سنگھ اور صوبہ سنگھ کے ہاتھ آئی۔ اس کے بعد گویا سکھ لوگ پنجاب کے مستقل مالک بنگئے۔ مگر سکھوں کا کوئی بادشاہ یا راجہ نہ تھا گویا فرقے تھے۔ جس ملک کو لیتے تھے آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔

رنجیت سنگھ کی پیدائش

رنجیت سنگھ ۱۷۸۰ء کو بمقام گجرانوالہ پیدا ہوا۔ اس کے بزرگ بادشاہ یا راجہ نہ تھے بلکہ معمولی سردار تھے جو لوٹ گھسوٹ ڈاکہ زنی پر گذارہ کیا کرتے تھے۔ رنجیت سنگھ ۱۲ سال کا تھا جب اس کا باپ فوت ہوا اس کی پرورش اس کی ساس سدا کور کے ذمہ تھی۔ وہ بہت بڑی مالدار اور ہوشیار عورت تھی۔ رنجیت سنگھ نے سب سے پہلے اس کے مشورہ سے بعمر ۲۰ سال ایک کافی گروہ کے ساتھ ۱۷۹۹ء میں لاہور پر حملہ کیا۔ اس وقت لاہور پر لہنا سنگھ۔ گوجر سنگھ۔ صوبہ سنگھ کی بجائے حاکم چیت سنگھ۔ موہر سنگھ اور صاحب سنگھ تھے وہ سخت نالائق تھے اس لئے لاہور پر رنجیت سنگھ کا قبضہ ہوا۔

ایک واقعہ

احمد شاہ ابدالی کا پوتا شاہ زمان جب کابل میں بادشاہ ہوا تو وہ اپنے دادا کے مفتوحہ علاقہ پنجاب کو اپنے زیر نگین لانا چاہتا تھا ۱۷۹۵ء ۱۷۹۶ء اور ۱۷۹۷ء میں اس نے پنجاب پر دو حملے کئے جہلم تک پہنچا اور ۱۷۹۸ء کو بلا مزاحمت لاہور پر قابض ہوا۔ مگر اس کو کابل پر کسی اجنبی کے حملے کی خبر ہوئی اس لئے وہ روانہ ہوا۔ جب دریائے جہلم کو عبور کر رہا تھا تو طغیانی آئی ہوئی تھی اس کی بارہ توپیں غرق دریا ہوئیں۔ رنجیت سنگھ نے اسکی اطاعت قبول کر لی تھی اس لئے اس نے رنجیت سنگھ سے وعدہ کیا کہ اگر وہ یہ توپیں نکلوا کر اس کے پاس بھیجیگا تو اسے لاہور اور اس کا علاقہ اور راجائی خطاب عطا کیا جائیگا۔ رنجیت سنگھ نے آٹھ توپیں نکلوا کر پشاور بھجوا دیں اور شاہ زمان نے بھی اپنا وعدہ پورا کر لیا اور لاہور کی سند عطا کی۔ اگرچہ لاہور کی فتح میں رنجیت سنگھ کی شمشیر کا بھی دخل ہے مگر اس سند سے خطرہ مستقبل جاتا رہا اور یہ پہلا چانس تھا کہ رنجیت سنگھ نے راجہ کا خطاب پایا۔ مگر شہر دھلی پر انگریزوں کا قبضہ تھا اس لئے رنجیت سنگھ کو انگریزوں سے بھی خطرہ تھا اور افغانوں سے بھی۔ اور انگریزوں کو شاہان کابل سے

خطرہ تھا وہ رنجیت سنگھ کو درمیان میں سد سکندری سمجھتے تھے اس لئے دونوں ایک معاہدہ کے مشتاق ہوئے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور لارڈ لیک انگریز کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اس میں یہ طے پایا کہ دہلی کی طرف رنجیت سنگھ مداخلت نہیں کریگا اور سرحد کیطرف انگریز مداخلت نہ کریں گے یہ عہدنامہ ۱۸۰۹ء کو قابل عملدرآمد سمجھا گیا۔

جب رنجیت سنگھ کو

انگریزوں کی طرف سے تسلی ہوئی تو اس نے اپنی توجہ سرحد کیطرف مائل کی۔ اُس وقت سرحدی علاقہ بھی بے امیر و بے بادشاہ پڑا ہوا تھا اور گھر گھر میں خانی تھی۔

عطا محمد خان کابلی

یہ حاکم ۱۸۱۰ء کو سلطنت افغانستان سے سرکش ہو کر کشمیر پر قابض ہو گیا تھا۔ اس کو راہ راست پر لانے کیلئے شاہ محمود شاہ کابل نے اپنے وزیر فتح محمد خان کو بھیجا جب فتح محمد خان نے دریائے اباسندھ عبور کیا تو رنجیت سنگھ نے اس سے کہا کہ آؤ ملکر کشمیر کو زیر کر لیں بعد فتح کشمیر مال غنیمت میں سے تیسرا حصہ لینے کا میں حقدار ہونگا اس شرط پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنا سپہ سالار محکم چند کو فتح محمد کی مدد پر روانہ کیا۔ لیکن فتح محمد خان اس سے پہلے کشمیر پہنچا اور تمام علاقہ پر قابض ہو گیا۔ چنانچہ فتح محمد خان نے رنجیت سنگھ کو مال کے تیسرے حصہ کے دینے سے صاف انکار کر دیا۔ رنجیت سنگھ کو غصہ آیا وہ اٹک پہنچا۔ چونکہ قلعہ اٹک میں اُس وقت عطا محمد خان سرکش کا بھائی جہانداد خان گورنر تھا۔ رنجیت سنگھ نے اس سے ساز باز کر کے قلعہ اٹک اپنے لئے خالی کرایا۔ فتح محمد خان نے یہ خبر سُنتے ہی اپنے بھائی دوست محمد خان کو جو بعد میں امیر کابل ہوا تھا رستہ صاف کرنے کے لئے آگے بھیجا۔ الغرض دوست محمد خان اور محکم چند سپہ سالار بمقام حضرو بالمقابل ہوئے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ دوست محمد خان کو تو اول میں فتح ہوئی مگر اسکے سپاہ مال کے لوٹنے میں مشغول ہوئے اس لئے فتح شکست

میں تبدیل ہوئی۔ دوست محمد خان سیدھا کابل روانہ ہوا۔ اور قلعہ اٹک رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آیا۔ اب سکھوں کے حوصلے بڑھے اور وہ اِردگرد کے علاقوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصرف ہوئے یہ واقعہ ۱۸۱۳ء کا ہے۔

جنگِ ہزارہ

۱۸۱۴ء کو رنجیت سنگھ نے سردار حکم سنگھ اٹک اور ہزارہ کا گورنر تعینات کیا۔ یہ سپہ سالار نہایت سنگدل ظالم اور بے رحم تھا۔ ہزارہ میں اس نے بے انتہا ظلم کئے۔ سردار سید خانصاحب نے تنگ آکر علاقہ ہری پور۔ کھلابٹ۔ سری کوٹ۔ تربیلہ کے لوگوں کو جمع کیا۔ بمقام جاگل سکھوں اور مسلمانوں کی زبردست لڑائی ہوئی۔ سکھوں کو شکست ہوئی۔ حکم سنگھ ظالم مارا گیا۔ یہ واقعہ ۱۸۱۹ء کا ہے۔ جب یہ خبر لاہور پہنچی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نہایت پریشان ہوا۔ دیوان رام دیال کو ایک کثیر فوج کے ساتھ ہزارہ بھیجا۔

جنگ گنگر

یہ گنگر اُس پہاڑ کا نام ہے جو حسن ابدال سے شروع ہو کر تربیلہ کے پاس جا کر ختم ہوتا ہے۔ جیسا کہ دریائے اباسندھ نے علاقہ یوسف زئی و چھچھ کو جدا کیا ہوا ہے اسی طرح گنگر نے بھی علاقہ ہزارہ و چھچھ کو جُدا کیا ہوا ہے۔ اس پہاڑ کے جنوبی طرف ضلع کالمپور۔ شمال کی طرف ریاست امب مشرق کی طرف میدان ہزارہ اور مغرب کیطرف چھچھ اور علاقہ یوسف زئی ہے۔ یہ پہاڑ قدرتی مورچہ شکل ہے اس پہاڑ میں بڑے بڑے دیار اور چیڑ کے درخت ہیں۔ چھچھ اور ہزارہ والے اکثر اسی سے لکڑیوں وغیرہ کا گذارہ کیا کرتے ہیں۔ اس میں ہرن بکثرت ہوا کرتے ہیں۔ جب اس پہاڑ کا سلسلہ لگاتار سری کوٹ پہنچا تو یہاں اس کی دو شاخیں ہو گئیں ایک سلسلہ سیدھا تربیلہ کے پاس جا کر ختم ہوا اور سری کوٹ سے ایک شاخ مشرق کی طرف ٹیڑھی ہو گئی اور نارگاہ پر جا کر ختم ہوئی۔ یہ نارگاہ وہ جگہ ہے جہاں اب رسالدار سید سِکندر شاہ صاحب سکونت پذیر ہیں

سری کوٹ اسی پہاڑ کے سر پر واقع ہے جہاں سے یوسف زئی۔ ہزارہ۔ چھچھ اور آباسندھ کے نظارے دلفریب دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ نارگاہ گنگر کا آخری حصہ ہے اس لئے اس لڑائی کو جنگ گنگر سے ذکر کیا جاتا ہے۔ جب دیوان رام دیال کے آنے کی افواہ ہزارہ میں اُڑی تو سردار سید خانصاحب بشمولیت مردمانِ خود سری کوٹ پہنچا اور مشوانیوں سے امداد کا طالب ہوا۔ چونکہ یہ امداد فرضی تھی اس لئے مشوانی اور ترین خاندان کے مردمان سب کے سب ناگاہ میں جمع ہوئے۔ اور وہاں سے دیوان رام دیال اس پہاڑ کے دامن نارگاہ تک آپہنچا۔ اُس وقت توڑیدار بندوقیں رائج ہو گئی تھیں لڑائی شروع ہوئی۔ مشوانیوں کی وار خطا نہ جاتی تھی۔ کیونکہ سکھ میدان میں تھے۔ اور یہ پہاڑی پر تھے۔ تمام دن خوب زور سے لڑائی ہوئی۔ آخر مشوانی و ترین خاندان کے آدمیوں نے بوقت عصر اللہ اکبر کہکر یکدم حملہ کر دیا۔ فریقین کافی تعداد میں مارے گئے۔ اگرچہ رام دیال نہایت ہی جوانمرد تجربہ کار جرنیل تھا مگر مشوانیوں نے گھیر لیا اور مع دیگر سکھ افسران کے قتل ہوا۔ اس لڑائی میں من مؤلف کا چچا کلاں سید محمد نور بھی شہید ہوا۔ جن کا مزار شریف سریکوٹ کے ہورتہ چم زیارتو نو میں ایک درخت توت کلاں کے دامن میں واقع ہے اور یہی نام بعد میں تبرکاً میرے والد مرحوم ملکی۔ حاجی سید محمد نور شاہ کیلئے اپنے والدین نے منتخب کیا۔

الغرض دیوان رام دیال کے مرنے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کیطرف سے مجیٹھا امر سنگھ اور بہادر بھولا سنگھ اکالی ہزارہ کے لئے منتخب ہو کر بھیجد یئے گئے چند روز بدستور سابق لڑائی کے بعد یہ بھی مارے گئے۔

سردار ہری سنگھ نلوہ المعروف بہریا

ہری سنگھ ذات کا کھتری گجرانوالہ کا رہنے والا تھا اس کے باپ کا نام گوردیال سنگھ تھا۔ ہری سنگھ ۱۷۹۱ء کو پیدا ہوا۔ ابھی ۷ سال کا تھا کہ اس کا والد مر گیا۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کیخدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اسکی تعلیم و پرورش کی۔ اس نے فنون جنگ میں کافی مہارت

حاصل کی۔ ابھی ۱۶ برس کا ہوگا کہ قطب الدین خان قصور سے رنجیت سنگھ کی لڑائی ہوئی اس
لڑائی میں ہری سنگھ بھی شامل تھا اس کی جوانمردی کو دیکھ کر رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۷ء میں
اس کو سرداری کا خطاب دیا۔ اپنے ماں باپ اسے محبت سے نلوہ کر کے پکارا کرتے تھے جس کے
معنے بچے کے ہیں اور اس نام سے آج تک مشہور ہے۔ مجیٹھا امر سنگھ جرنیل کے بعد ضلع ہزارہ کی
گورنری کیلئے رنجیت سنگھ کی طرف سے سردار ہری سنگھ نلوہ نامزد ہوا اگرچہ یہ بھی بہادر تھا
مگر سردار محمد خان ترین ہزارہ والے کا نام سنکر کانپ جاتا تھا کیونکہ محمد خان نے بے شمار
سکھوں کے اعلیٰ اعلیٰ تجربہ کار افسروں کو بندوق کا نشانہ بنایا ہوا تھا۔ ہری سنگھ کے ہزارہ
جانے سے پہلے رنجیت سنگھ نے محمد خان کو لاہور سنگوا کر بیس ہزار روپیہ جاگیر دینے کا وعدہ
کیا اور ہری سنگھ محمد خان کے ساتھ ہزارہ بھیجا۔

آتے ہی ہری سنگھ نے ہری پور شہر کی بنیاد ڈالی۔ یہ ہری سنگھ کا آباد کیا ہوا شہر
ہے۔ اس لئے ہری پور سے مشہور ہے۔ انہی دنوں میں ہری سنگھ نے متصل سکندہ پور ایک
قلعہ بھی تعمیر کر کے آباد کیا۔ قلعہ کا نام ہرکشن گڈھ رکھا جس میں اب سرکار برطانیہ کی تحصیل ہے
ہری سنگھ نے اپنے بیٹے گوردت سنگھ اور ہرسا سنگھ اکالی کو بطور نائب قلعہ ہرکشن گڈھ میں
چھوڑ کر خود ڈیرہ جات کی مہم پر روانہ ہوا۔ محمد خان تو ایسے موقعوں کا پیاسا تھا فوراً سریکوٹ
کھلابٹ۔ کھتیلہ۔ تربیلہ۔ غازی۔ بھمبلکنڈ۔ کوٹ نجیب اللہ۔ جاگل۔ سری۔ ڈھینڈہ۔
بادو۔ ممایہ اور ہری پور کے اردگرد علاقہ کے لوگوں کو جمع کر کے ہری پور کے قلعہ ہرکشن
گڈھ پر حملہ کر دیا۔ بے شمار سکھ تہ تیغ ہوئے۔ گوردت سنگھ اور ہرسا سنگھ قلعہ ہی میں
کہیں چھپ گئے۔ ہری سنگھ کو جب پتہ لگا تو مہاراجہ کو اطلاع دی۔ مہاراجہ نے سردار
بدھ سنگھ سندھانوالیہ کو ہزارہ روانہ کیا۔ وہ نارڈہ کی لڑائی کی خبریں سن چکا تھا۔
اس لئے رستہ ہی میں تامل کرتا رہا۔ ادھر جن جن علاقوں میں سکھ ڈٹے ہوئے بیٹھے
تھے لوگوں نے بغاوت شروع کی۔ بے تعداد سکھوں کو قتل کیا اور قلعوں پر خود قبضہ

کر لیا۔ شنکیاری۔ نواں شہر۔ مانسہرہ کی طرف بھی لوگوں نے سکھوں کو قتل کر کے قلعوں پر
قبضہ جما لیا۔ خانپور میں راجہ غلام علی خانصاحب نے سکھوں کو قتل کر کے ان کا مال خورد بُرد
کر لیا۔ شیر محمد خان ولد سربلند خان صاحب تنولی نے جو بندوق کا اعلیٰ نشانہ باز تھا بسنگری
وغیرہ علاقہ میں ایک ایک کر کے سکھوں کو قتل کیا۔ ملک میں چند مدت کیلئے آرام ہو گیا۔

سری کوٹ کی لڑائی

ڈیرہ جات سے فوج لیکر پھر ہری سنگھ ہزارہ پہنچا اور لاہور کی امداد بھی پہنچی
ایک زبردست جنگ کے بعد سردار شیر محمد خانصاحب مارا گیا۔ محمد خان ترین اور سردار
سربلند خان تنولی سری کوٹ پہنچے اور مشوانیوں سے امداد کے طالب ہوئے۔ مشوانیوں
نے نقارہ بجا کر اپنی کل قوم کو جمع کیا۔ سری کوٹ ہیڈ کوارٹر مقرر کیا اور میدان جنگ نارگاہ
ٹھیرایا۔ ہری سنگھ نے بھی توپوں بندقوں سے مسلح فوج کو نارڈہ علاقہ کھلابٹ میں جمع کر کے
نارگاہ پر گولہ باری شروع کی۔ نارڈہ سے بطرف شمال ایک پہاڑی کے سر پر اب بھی ایک سفید
بُرج موجود ہے۔ جہاں سے ہری سنگھ کی فوج نارگاہ پر گولہ باری کیا کرتی تھی۔ مشوانی بھی
ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ تمام دن لڑائی ہوئی آخر عصر کے وقت مشوانیوں نے
بشمولیت محمد خان و سربلند خان سکھوں پر حملہ کر دیا۔ ہری سنگھ کی فوج کو گاجر کی طرح
کتر کر رکھ دیا کچھ سکھ بھاگ کر ہری پور پہنچے۔ سردار ہری سنگھ۔ میہان سنگھ اور کشن سنگھ
نارڈہ گاؤں کے مکان میں چھپ گئے۔ مشوانی ان کی تلاش میں سرگردان پھر رہے تھے اندھیرا
چھا گیا ایک مخبر نے خبر دی کہ یہ جرنیل فلاں مکان میں چھپے ہوئے ہیں مشوانیوں نے اس
مکان کو گھیر لیا۔ کشن سنگھ خوف کے مارے مکان سے نکل کر بھاگنے لگا۔ کہ ایک مشوانی نے
پہلے ہی تلوار کے وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ میہان سنگھ و ہری سنگھ بھی نکل کر بھاگنے لگے
غازیوں نے تلواروں سے چُور چُور کر کے نیچے کھڈے میں گرا دیئے۔ مشوانیوں کو یقین ہو گیا
کہ یہ سردار مر گئے چونکہ رات اندھیری تھی اس لئے ان کی تلاش نہ کی گئی۔ جب صبح غازی

کیمپ میں داخل ہوئے تو کافی مال ہاتھ آیا۔ وہاں ایک سکھ مرا ہوا پڑا تھا جو ہری سنگہ کا ہمشکل تھا۔ مشوانیوں نے اُسے ہری سنگہ سمجھ کر اُس کا سر کاٹ کر مشہور کر دیا کہ ہری سنگہ مارا گیا۔

ہری سنگہ کے زخمی ہونے کی کیفیت

جب ہری سنگہ زخموں سے چوُر چوُر کھڈے میں گرا تو قدرتی ایک سکھ سپاہی رات کے وقت بھاگتا ہوا اس کے پاس سے گذرنے لگا۔ ہری سنگہ نے اس کا پاؤں پکڑ کر آہستہ کہا کہ میں ہری سنگہ ہوں خدا کے واسطے بچاؤ۔ سکھ نے ہری سنگہ کو کندے پر اٹھا کر اپنے چند ساتھیوں کے پاس پہنچایا جو ہری پور کو بھاگتے ہوئے جا رہے تھے۔ چونکہ ہری سنگہ زیادہ زخمی ہونے کیوجہ سے سپاہی کی پشت یا گھوڑے پر سواری کے قابل نہ تھا۔ اس لئے کھلابٹ کے متصل سکھوں کو ایک زمیندار کی کھیت سے ایک پرانی چارپائی ملی۔ ہری سنگہ کو چارپائی میں ڈال کر ہری پور قلعۂ ہرکشن گڈھ میں پہنچایا۔ غازی نارگاہ اور سری کوٹ سے منتشر ہو گئے۔

ہری سنگہ کی صحتیابی

چند مدت کے بعد جب ہری سنگہ کے زخم اچھے ہوئے تو بے شمار فوج کو جمع کر کے بے خبر اور نامردی کا حملہ کر کے محمد خان ترین کو گرفتار کر کے لاہور بھیجدیا اور سری کوٹ پر حملہ کر کے تین روز متواتر جنگ و گولہ باری کے بعد سری کوٹ کو فتح کر کے گاؤں کو جلا دیا۔ مشوانی جلا وطن ہو کر مقام کنڈل سدد خیل علاقہ یوسف زئی میں چلے گئے۔ وہاں سے بھی مشوانیوں نے سکھوں کو ستانا شروع کیا۔ نور خان۔ مہران۔ طرہ باز حسین۔ نوبت۔ سید علی وغیرہ آکر بذریعہ ڈاکہ زنی سکھوں کا مال لوٹ لیا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں جب محمد خان ترین کو لاہور لیجانے لگے تو مہاراجہ رنجیت سنگہ بھی اٹک سے واپسی پر محمد خان سے راستہ میں آملا اور ہری سنگہ بھی ہزارہ سے جا پہنچا سب کے سب اکٹھے لاہور پہنچے

مہاراجہ رنجیت سنگہ نے دربار لگایا محمد خان ترین کو بلا کر روبروئے ہری سنگہ حکم سُنایا کہ اگر محمد خان پچیس ہزار روپیہ جرمانہ ادا کر کے آئندہ سکھ گورنمنٹ کے ساتھ وفادار رہنے کا وعدہ کرے تو معاف ہو سکتا ہے۔ ہری سنگہ نے محمد خان کو مخاطب ہو کر مہاراجہ کا حکم سُنایا۔ مگر اس جوان مرد نے بجواب بھرا جلاس مہاراجہ صاحب اور ہری سنگہ کو لاکھ لاکھ گالیاں سنائیں۔ ارکان انگشت حیرت بدندان ہوئے۔ محمد خان نظر بند کیا گیا جب ہری سنگہ لاہور جانے لگا تھا تو میہان سنگہ کو اپنا نائب مقرر کر کے قلعۂ ہرکشن گڑھ ہری پور میں چھوڑ گیا۔ بوستان خانصاحب ترین جس کو مہاراجہ کیطرف سے بیس ہزار جاگیر دیا گیا تھا اور محمد خان ترین کا برادر زادہ تھا محمد خان کی نظر بندی پر ناراض ہوا۔ ہری سنگہ کے جانے کے بعد تمام اقوام کو جمع کر کے ہری پور اور سری کوٹ پر حملہ کر کے سکھوں کو شکست فاش دے کر سری کوٹ سے نکال دیا۔ مشوانی پھر آ کر سری کوٹ میں آباد ہوئے۔ جب یہ خبر لاہور پہنچی تو وہاں سے پھر کافی فوج لے کر ہری سنگہ ہزارہ پہنچا چاروں طرف سے سری کوٹ پر حملہ کر دیا۔ تین دن رات لڑائی جاری رہی سکھوں کے پاؤں اُکھڑ گئے مگر کسی مخبر نے خبر دی کہ جرنیل ونتورہ صاحب فرانسیسی جرنیل مع کافی فوج حسن ابدال پہنچگیا اور مہاراجہ کے حکم سے پشاور جا رہا ہے۔ ہری سنگہ نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور اس کو مع اپنے فوج کے مدد کیلئے بلایا۔ اب سکھوں کی فوج بے شمار جمع ہوئی۔ لڑائی میں سکھوں کو فتح ہوئی۔ سکھوں نے بوستان خان ترین۔ جلال خان مدازک بسلیم شاہ مشوانی دو نفر اور کل چھ سرکردوں کو گرفتار کر کے توپ سے اڑایا۔ سری کوٹ پھر ویران ہوا۔ جب یہ اطلاع لاہور دی گئی تو مہاراجہ رنجیت سنگہ نے محمد خان ترین کو بلا کر پھر وفادار رہنے کی تلقین کی مگر وہ آگے سے زیادہ جوشیلا تھا۔ کیونکہ اُسے بوستان خان و مشوانیوں کے توپ سے اڑانے کا حال معلوم ہو گیا تھا وہ پہلے سے بھی زیادہ گالیاں دینے لگا۔ اور وہ ذلت کی زندگی سے موت کو ترجیح دینے لگا۔ رنجیت سنگہ نے

اس کو ایک تاریک چاہ میں بند کر کے پاؤ نمک اور جو کی روٹی دینے لگا۔ وہ نیکبخت جوان ان سختیوں کو کاٹتا ہوا دنیا کو الوداع کہا اور دنیا کے بہادروں میں نام چھوڑ گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

محمد خان کی وفات کے بعد سکھ مستحکم طور پر ہزارہ کے حکمران تسلیم کر لئے گئے سکھوں نے قلعہ سری کوٹ۔ سانگوٹ۔ بوٹیگرام۔ کرہ۔ نارگاہ تعمیر کر کے پورا قبضہ جما لیا۔ سری کوٹ ایک مدت دراز تک ویران پڑا رہا کچھ تو سکھوں نے برباد کیا اور کچھ عرصہ قحط کلاں کی وجہ سے غیر آباد رہا۔ آخر ہری سنگھ نے مہاراجہ کے حکم سے کونڈل سے مشوانیوں کو منگوا کر سری کوٹ کو آباد کیا۔ ملک حسن علی کو سکھوں کی طرف سے نمبرداری دیگئی حاکم نام ایک مشوانی کو بھی نمبرداری دی گئی تھی مگر وہ برائے نام تھی۔ کیونکہ وہ سکھوں کا مخبر تھا۔ آخر ایک پھولائی درخت کے نیچے سویا ہوا مارا گیا۔ حسین مشوانی کو بھی نمبرداری دیگئی یہ ایک زبردست ڈاکہ زن جوان تھا مگر اصل نمبرداران چنن و خواص تھے اور سکھوں سے پہلے نمبرداری جمال خان دُرّاخیل۔ سور جان حسین خیل اور شیر شاہ مصری خانے کی تھی۔

سکھوں اور انگریزوں کی لڑائی

سکھوں اور انگریزوں کی پہلی لڑائی ۱۸۴۶ء کو ہوئی پھر ۱۸۴۹ء کو ہوئی اس لڑائی میں سکھوں کو شکست ہوئی یہ خبر بجلی کیطرح ہزارہ پہنچی جگہ جگہ پر لوگوں نے بغاوت شروع کی۔ مشوانیوں نے حملہ کر کے قلعہ سری کوٹ کو فتح کیا اور نہایت شریفانہ طور پر سکھوں کو نکال کر غازی ٹی تک محفوظ پہنچایا۔ سکھ براستہ تنگے ہری پور جانے لگے چونکہ تنگے ایک درہ ہے جب سکھ وہاں پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے بے شمار سکھوں کو تہ تیغ کیا۔ مشوانی مستورات نے بھی پتھروں سے بہت سے سکھوں کو مار دیا ؎

جیسی کرنی ویسی بھرنی آج کیا کل پائیگا
دہوکہ دیگا اوروں کو تو آپ ہی دھوکہ کھائیگا

ہزارہ کے مختلف قبائل نے بمقام جاگل جمع ہو کر جہاد کا بندوبست کیا۔ مگر بادشاہ کا منتخب ہونا ضروری تھا اس لئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا سید اکبر میاں صاحب ساکن ملکا۔ ستانہ والی کا خان صاحب۔ سید قاسم میاں صاحب ساکن صوابی۔ یہ حضرات اپنے آپ کو بادشاہی کیلئے پیش کرتے رہے۔ صالح محمد صاحب مشوانی ایک معتبر مدبر سنجیدہ۔ دانشمند آدمی تھا بادشاہ کے انتخاب کرنے کا اختیار اس کو دیا گیا اس نے غلام خان ترین کو منتخب کیا جو خورد سال تھا مگر تمام لوگوں نے اس کی رائے کی تائید کر کے غلام خان کو بادشاہ مقرر کر کے متفق طور پر قلعہ ہرکشن گڑھ پر حملہ کر دیا سکھوں کو شکست ہوئی۔ وہ ہری پور چھوڑ کر حسن ابدال پہنچے۔ یہاں میجر ایبٹ صاحب انگریز مع ایک دستہ فوج کے سری کوٹ پہنچا۔ اگرچہ دُرّانی بھی آئے مگر برائے نام وہ جلدی واپس ہو گئے ملک پر ایبٹ صاحب نے قبضہ کیا یہ وہی ایبٹ ہے جس نے ایبٹ آباد چھاؤنی آباد کی اور اس کے نام سے اب تک یہ چھاؤنی ایبٹ آباد ہزارہ میں آباد ہے۔ قبل ازیں میجر ایبٹ ایک طالبعلم کی حیثیت میں سری کوٹ کے لکو تیکو جماعت میں تعلیم پاتا رہا۔ ملا صالح محمد نے میجر ایبٹ صاحب کو حسن علی نمبردار کے برخلاف بھڑکایا اور اس کو سکھوں کا وفادار ثابت کیا۔ اس لئے حسن علی نمبردار بموجب حکم ایبٹ صاحب سری کوٹ سے خارج ہو کر ستری میں آباد ہوا۔ اگرچہ کچھ مدت کے بعد پھر حسن علی کو سری کوٹ آنے کی اجازت ملگئی مگر اس کی نمبرداری صالح محمد کو دیگئی جو آجتک اس کے خاندان میں چلی آتی ہے۔ حسن علی صاحب کو سکھ نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے اور اس نے جتنی عمر نمبرداری کی بڑی وفاداری سے قومی خدمات کو سرانجام کیا۔ یہ ہر ایک ہفتہ میں ہندوؤں کے تول ناپ کا ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ کسی نوجوان کی آنکھ میں اگر سرمہ لگا ہوا نظر آتا تو اس کی پوری خبر لیتا۔ نہ ہی کوئی جوان بالوں کو تیل سے

بغیر کسی ضرورت کے ترک کر سکتا تھا۔ اس کی نمبرداری کے عہد میں کسی آہنگر، ترکھان، کمہار، جُلاہے، موچی، ہندو وغیرہ کو کسی جانور کے رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ جبتک یہ حکم نہ دیتا اس کا یہ عقیدہ تھا کہ بالا اقوام کی زمینیں ہیں نہیں جب یہ مال رکھینگے تو ایک تو ہماری قوم کی زمینوں سے گھاس وغیرہ لاکر گذارہ کریں گے اور میری قوم کو یہ نقصان ہوگا۔ دوسرا یہ اپنے گھروں میں دہی دودھ سے مالامال ہو رہے گے اور میری قوم کے وقار کو دھبہ لگیگا اور یہ بے پرواہی کی زندگی بسر کریں گے۔ جب ان کی مال مویشی نہ ہوگی تو میری پیسے لیجا کر ان سے سودا خرید اکریں گے اور جب ان کو گھی، مکھن وغیرہ اشیاء کی ضرورت ہوا کرے گی تو یہ جاکر میری قوم سے خرید اکریں گے۔ الغرض اُس وقت کے ساتھ اس کے خیالات اچھے تھے۔ مگر اس کی قسمت نے پلٹا کھایا نہ پھر وہ تھا نہ وہ عیش کے سامان تھے۔ آہ آجکل کی نمبرداری شاید کوئی جوان ہوگا جس نے نور گل چوکیدار سے "سر کوزیہ" کا لفظ نہ سُنا ہوگا بلکہ چند سوٹے بھی نہ چکھے ہوں گے۔ خیر:۔

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

میجر ایبٹ کے ساتھ مشوانیوں نے نہایت وفاداری سے ایام گذارے کیونکہ سکھوں کے جبر و ظلم نے ع۔ از دوزخیاں پُرس کہ اعراف بہشت است۔ کی مثال مصداق کیا ہوا تھا۔ میجر ایبٹ نے ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے ایک سیاہ سنگ مرمر کے پتھر پر جو سُنہری حرفوں سے کُندہ ہے ایک اعلیٰ سند قوم مشوانی کو دیا۔ وہ پتھر اتبک ملک سید محمود صاحب جو میرے بھتیجے سید محمد موسیٰ سب انسپکٹر پولیس لاڑکانہ سندھ کے سُسر اور من مؤلف کا پھوپھی زاد بھائی ہے کے پاس موجود ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے مشوانیوں کے ساتھ اگریمنٹ ہے کہ جبتک وہ ہندوستان پر حکمران رہینگے مشوانیوں کا اسلحہ بغیر لائسنس کے رکھنا خلاف قانون نہیں سمجھا جائیگا اور ابھی تک اسی عہد پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔

سردار ہری سنگھ نلوہ

جب آخری دفعہ سری کوٹ کو فتح کر چکا تو پھر پشاور کی طرف متوجہ ہوا۔ جمرود تک ملک کو فتح کر لیا۔ ایک روز وحشت میں آگیا اور دوست محمد خان امیر کابل کو جواب بھیجا کہ کابل رنجیت سنگھ کے لئے خالی کرو۔ امیر دوست محمد خان جو سنہ ۱۸۴۳ء کو تخت نشین ہوا تھا اپنے بیٹے محمد اکبر کو ایک جرار لشکر کے ساتھ بطرف جمرود برائے سرکوبی ہری سنگھ روانہ کیا۔ محمد اکبر خان لنڈی کوتل پہنچا۔ پٹھانوں کو ساتھ شامل کرکے خیبر کے افریدیوں کو بھی ساتھ ملا کر جمرود پہنچا۔ ہری سنگھ بھی مقابلہ کیلئے نکلا کچھ فوج تختہ بیگ کے پاس لڑ رہی تھی اور کچھ فوج جمرود اور قدم کے درمیان لڑ رہی تھی۔ ہری سنگھ مؤخر الذکر جگہ کی کمان کر رہا تھا سکھ سپاہیوں کو شاباش کے نعرے لگا رہا تھا۔ محمد اکبر خان مغرب کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ اور شمس الدین خان شمال کی طرف سے سکھوں کو گھیرے میں لے لیا۔ بے حساب لوگ قتل ہوئے۔ اچانک ہری سنگھ گھوڑے پر سوار نظر آیا ایک پٹھان نے بندوق کی شست لگائی اور گولی سیدھی جاکر ہری سنگھ کے ناف میں لگی وہ گھوڑے سے نیچے گرا سپاہی بدحواس ہوئے ہری سنگھ کو اٹھا کر قلعۂ جمرود میں داخل کیا۔ مرتے وقت ہری سنگھ نے فوج کو واپسی اور مہاراجہ سے وفادار رہنے کی، برہمنوں سے نیک سلوک کرنے کی اور اپنی لڑکی کی شادی کی نصیحت کرکے اس دنیا سے چل بسا۔ سکھوں نے تین روز تک اس کی لاش چھپائی رکھی۔ مگر آخر خبر مشہور ہوگئی۔ اُدھر سے انگریزوں نے لاہور پر سکھوں کے ساتھ لڑائی چھیڑ دی۔ جتنی جلدی سکھوں کی بادشاہی پھیلی ہوئی تھی اتنی ہی جلدی ختم ہوئی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۲۵۵ھ ہجری کا ہے۔

سکھوں کے بعد

سری کوٹ پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ہوا۔ قلعۂ سری کوٹ میں پولیس تھانہ

بھی بنایا گیا تھا۔ سید شاہ نام ایک سب انسپکٹر ساکن ڈھیری شاہان انچارج تھانہ تھا۔
اُس سب انسپکٹر نے ایک بیوہ عورت سری کوٹ سے اغوا کر لی بشوانی غضبناک ہوئے
اور متفق ہو کر قلعہ سری کوٹ کے تھانہ پر حملہ کر دیا۔ سپاہیوں کو زخموں سے چور چور
کر کے بھگا دیا اور سید شاہ سب انسپکٹر کو گرفتار کر کے حجرہ میں لائے۔ تمام رات رسیوں
سے جکڑا ہوا باندھا تھا۔ آخر انگریزوں نے اس کو سری کوٹ سے برخاست کر دیا بلکہ
تھانہ بھی موقوف کر کے غازی میں مقرر کیا گیا جو آج تک مشوانیوں کا اور متصل علاقہ
کا تھانہ ہے۔

اب میں پھر اپنے سلسلہ تواریخ کو لیتا ہوں

میں اس کتاب میں کہیں لکھ چکا ہوں کہ میر سید محمد گیسو دراز صاحب جب
علاقہ کا کڑا، کرانی، اشترانی سے بمزار فیض آثار خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار
شریف میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ اُس وقت شہر دہلی میں ایک بزرگ خلیفہ حضرت
شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رہتے تھے۔ سید موصوف کی ان کی جانب میلان خاطر
ہوا۔ دہلی پہنچکر شیخ موصوف سے بیعت کی۔ لنگر خانہ سے جو کچھ آپ کو ملجایا کرتا تھا۔
وہ آپ لِلّٰہ مساکین پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جب بارہا آپکو
آزمایا اور راسی پایا تو آپ کو بندہ نواز کا خطاب عطا فرمایا۔ اُس سے محمد گیسو دراز بندہ
نواز کے لقب سے مشہور ہوئے۔

نقل ہے

کہ ایک موقعہ پر سلطان وقت محمد تغلق کی کبیدہ خاطری سے حضرت مخدوم شیخ
نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو دہلی چھوڑنی پڑی۔ چنانچہ مریدوں نے چوڈول کندھوں پر
اٹھایا۔ جب ناروال یا نارنول کے قریب پہنچے تو اُس وقت چوڈول کا ڈنڈا سید محمد
گیسو دراز صاحب کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ اور زلف کے بال ڈنڈے کے نیچے

دبکر کھچ رہے تھے مگر پاس ادب نہ آپ نے کندھا بدلا نہ بال علیحدہ کئے۔ جب اس حد
سے گذرنے لگے تو شیخ صاحب چوڈول سے اُتر پڑے کیا دیکھتے ہیں کہ سید محمد گیسو
دراز صاحب کے بالوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ بابا خیر ہے؟ سید
نے کہا صاحب خیر ہے۔ اس پر ایک دوسرے صاحب نے شیخ صاحب کی خدمت میں
تمام حالات بتفصیل بیان کئے۔ شیخ فرمانے لگے کہ آپ چوڈول نہ اٹھائیں آپ سید
حسینی ہیں اور میں اُمتی۔ سید نے عرض کیا کہ آپ پیر میں مرید، آپ مخدوم میں
خادم۔ جب اللہ تعالٰے نے از ہر گونہ آپ کو شرافت و بزرگی بخشی تو پھر میں اس
خدمت سے کیوں محروم رکھا جاؤں حضرت مخدوم خوش ہوئے اور ان کو گلے لگا کر
فرمایا ؎

ہر کو غلام سید گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

اُسی مقام پر خلیفہ حضرت شیخ صاحب کو خبر ملی کہ بادشاہ وقت کا انتقال ہوا
وہاں ہی سے واپس دہلی ہوئے مگر اٹھارھویں ماہ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ہجری
میں خواجہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کا بھی وصال ہوگیا۔

مختصر حالات شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی

آپ علاقہ اودھ کے رہنے والے تھے دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاء
رحمۃ اللہ علیہ کے قائمقام اور سجادہ نشین ہوئے۔ جامع جمیع علوم ظاہری اور
باطنی ہو کر اخلاق حسنہ کے ساتھ اتصاف رکھتے تھے اور ان کے فضل و دانش کی
کثرت اور وفور سے سلطان الاولیاء کے اصحاب انہیں گنج معانی کہتے تھے۔ شیخ
نظام الدین کے بعد از وفات وہ جناب دہلی میں سجادہ نشین ہوئے اور خلائق
کی ہدایت و ارشاد میں مشغول تھے۔ تذکرۃ الاتقیاء میں مرقوم ہے کہ شیخ صاحب

نماز عصر کے بعد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی اطاعت و عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور کسی سے بات نہ کرتے تھے اور خادموں کو یہ حکم دیا تھا کہ اس وقت جو شخص میری ملاقات کو آوے۔ اُسے ایک تنگہ دیکر رخصت کرو اگر ایک تنگہ نہ لیوے تو دو تنگہ سے پچاس تنگہ تک دیکر اُسے واپس کرو۔ اگر اس مقدار سے بھی راضی نہووے تو اسے میرے پاس بھیجو۔ چنانچہ ایک روز ایک قلندر شیخ کے دیکھنے کو آیا۔ ہر چند خادموں نے چاہا کہ وہ کچھ لے کر رخصت ہووے مگر ان کا سمجھانا مفید نہوا۔ ناچار اُسے اذن دخول حجرہ دیا۔ قلندر شیطان سیرت نے حجرہ میں جاکر بہ درشتی و سختی شیخ سے کچھ طلب کیا۔ شیخ جو طاعت میں مشغول تھے دو تین مرتبہ اشارہ کیا کہ بیٹھ جا۔ میں تجھے دونگا۔ قبول نہ کیا اور اس موذی نے اپنی لکڑی کے ڈنڈے سے شیخ موصوف کے جسم مبارک کو بیدردی سے مار مار کر زخمی کیا خون سوراخ آستانہ سے روان ہو کر برآمد ہوا۔ خادم مضطرب ہو کر اندر گئے اور چاہا کہ اُسے سزا پہنچاویں مگر شیخ نے ممانعت کی۔ بلکہ ایک گھوڑا اور پچاس اشرفی اسے مرحمت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ تو گھوڑے پر سوار ہو کر اس شہر سے نکل جا تا کہ تجھے کوئی مزاحمت نہ پہنچائے

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دلِ دشمنان ہم نکردند تنگ

قلندر وہ مال لے کر چلا گیا۔ چند ساعت کے بعد جب شیخ صاحب پر وقت ارتحال پہنچا تو آپ نے وصیت کی کہ سید محمد گیسو دراز مجھے غسل دیں اور اس خرقہ میں جو شیخ نظام الدین اولیاء سے مجھے پہنچا ہے مع عصا اور مصلےٰ کے مجھے قبر میں رکھدیں۔ سید محمد گیسو دراز نے حسب وصیت کے عمل کر کے غسل و کفن دے کر مدفون کیا۔ مدت آپکی عمر بیاسی ۸۲ برس راوی نشان دیتے ہیں۔

نقل ہے

کہ سید محمد گیسو دراز نے جب دیکھا کہ پیر بے نظیر شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ

چراغ دہلی اس دار فانی سے رحلت کر گئے تو گریان با سینہ بریان دہلی سے روانہ ہو کر دکن کی طرف گئے۔ اُس وقت شاہ فیروز شاہ بہمنی دکن میں فرمان روا تھا۔ سید کے آنے سے بہت خوش ہوا۔ مع امراء سید کے استقبال کے لئے روانہ ہو کر باعزاز تمام احمد آباد بیدر میں پہنچایا اور اُس تفصیل میں کہ جو احوال میں اُس کے لکھا ہے سید کا مرید اور معتقد ہوا اور ان کی تعظیم و تکریم میں زیادہ تر کوشش کر کے ایک گنبد کہ سید اسمیں مدفون ہے تیار کیا۔ اہالی دکن کو اُن بزرگوار کی نسبت حد سے زیادہ اعتقاد اور اخلاص تھا۔ سلطان فیروز شاہ نے فرمایا کہ جو قصبے شاہان بہمنیہ نے اُن سید کو وقف کئے ہیں شاہان عادل شاہیہ ان کی اولاد پر حسب دستور بحال رکھیں۔ ؎

چراغے ز شمعِ نبی یافتہ
کہ خورشید و مہ نور ازو یافتہ

مگر خان خانان برادر سلطان فیروز شاہ بھی سید موصوف کے حلقۂ مریدی میں منسلک تھا۔ اکثر اوقات ان کی مجلس شریف میں حاضر ہو کر ان کے سخنان متصوفانہ سے محظوظ و بہرہ مند ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات درویشان خانقاہ کو اقسام احسان سے سرفراز کرتا تھا۔

ایک واقعہ

سنہ ۸۱۸ ہجری کو سلطان فیروز شاہ نے اپنے بڑے بیٹے حسن خان کو جو شہزادہ عیاش اور خفیف العقل تھا ولیعہد کر کے تاج شاہی اُس کے سر پر رکھا اور عظمائے درگاہ سے اس کی بیعت لے کر آدمی سید محمد گیسو دراز کے پاس بھیجا کہ اس کے حق میں دعائے خیر کرے اور فاتحہ پڑھے۔ سید نے جواب دیا کہ جب تم نے شاہی اسے دی ہے تو فقیر کی دعا اور فاتحہ کی کیا حاجت ہے۔ سلطان فیروز شاہ نے دوبارہ مبالغہ کیا مگر سید نے فرمایا کہ عالم بالا سے تاج شاہی تیرے بعد تیرے بھائی احمد خان خانخانان کے نام زد ہوا ہے۔ اس بارہ میں

کوشش کرنی بیفائدہ ہے۔ سلطان اس بات سے بہت رنجیدہ اور متالم ہوا اور آثار رنجش کے ظاہر کئے اور یہ پیغام دیا کہ تمہاری خانقاہ قلعے کے نزدیک ہے اور اژدحام خلق کا ہوتا ہے۔ شہر سے باہر تشریف لیجایئے۔ سید محمد گیسو دراز ناچار بلدہ حسن آباد گلبرگہ سے برآمد ہوئے اور شہر کے کنارے اس مقام پر کہ بالفعل مزار انکا ہے فروکش ہوئے اور ان کے مریدوں نے ہجوم کرکے ایک مکان نہایت پُر تکلف اور معقول اُن کے واسطے تعمیر کیا۔

سلطان فیروز شاہ اور رائے تلنگ

۸۲۰ھ میں سلطان فیروز شاہ نے رائے تلنگ کے پاس ایلچی بھیجکر باج خراج چند سالہ طلب کیا۔ اس نے اطاعت کرکے زر نقد و جنس ارسال کیا اور وسط سال مذکور میں قلعہ پانگل کی تسخیر کیواسطے کہ اُن دونوں میں ساتھ نلگنڈہ کے شہرت رکھتا تھا اور قلعہ اودنی سے اُس مقام تک اسی فرسخ کی مسافت ہے۔ سلطان فیروز شاہ اُس طرف فوج کش ہوا۔ دو برس تک اُس قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ چونکہ میر سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی پوری ہونی تھی اس لئے ارادہ سبحانی اس قلعہ کے مفتوح ہونے سے متعلق نہ تھا۔ لشکر سلطانی میں وبا پہنچی انسان اور حیوان بہت تلف ہوئے۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور سلطان فیروز شاہ بھی سمجھا کہ سید محمد گیسو دراز صاحب کی چوٹ روحانی کا وار ہے جو خالی جانے والا نہیں۔ نظم:-

شہنشاہ در آن ناحیہ چند سال ۔۔۔ تہی کرد گنجینہ از زر و مال
ز آب و ہوائش در آن سال و ماہ ۔۔۔ چہ اسپ و چہ مردم بسے شد تباہ
ز دشواری و رنج آن کار زار ۔۔۔ پراگندہ شد لشکر شہریار

سلطان فیروز شاہ کو بڑھاپے میں یہ ایسی شکست ہوئی جو اس بار رنج و الم

پشت اس کی خمیدہ ہوئی اور غم و غصہ کی شدت سے بیمار ہوا۔ نظم

بسے غصہ مے خورد و شوریدہ وار ۔۔۔ بہ پیچید بر خویش چون روزگار
بہ تدبیر آن بود شاہ جہان ۔۔۔ کہ تا برکشد کینہ از ہندوان
پس از چند گاہ آن کیانی نژاد ۔۔۔ ز خستہ دلی سر ببالین نہاد

جب ایام مرض نے درازی پیدا کی تو ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک دونوں وزراء نے سلطان کو مشورہ دیا کہ تاج شاہی حسن خان شہزادہ کے حوالے کرنا چاہیئے۔ مگر احمد خان خانخانان جبتک موجود رہیگا حسن خان کو کامیابی مشکل ہوگی۔ سلطان فیروز شاہ کو بھی یہ صلاح پسند ہوئی۔ فوراً خفیہ حکم دیا کہ کل احمد خان خانخانان کو گرفتار کرکے اس کی آنکھیں مصلحت دنیوی کے لئے حلیۂ نور سے بے بہرہ کئے جائیں احمد خان بادشاہ کے اس ارادے سے واقف ہوا۔ نظر بخدا کرکے شب تیرہ و تار میں باتفاق اپنے نور چشم علاءالدین کے فرار ہوا اور سید محمد گیسو دراز کے مکان پر جاکر دم لیا۔ احمد خان نے سید موصوف سے التماس دعا کی۔ سید محمد گیسو دراز نے اپنی دستار مبارک دو پارچہ کرکے اپنے دست حق پرست سے باپ اور بیٹے کے سر پر باندھی اور پھر دونوں کو مژدۂ سلطنت دیکر فاتحہ خیر پڑھ کر تینوں صاحبوں نے ایک طباق میں کھانا تناول فرمایا۔ احمد خان خانخانان اپنے مکان پر جاکر تمام رات فرار کے تہیہ میں آمادہ رہا۔ علی الصباح چار سو جوانان آزمودہ کار جنگ کہ تمام معرکوں میں نام جوانمردی اور بہادری کا روشن کیا ہوا تھا ہمراہ لے کر مکان سے برآمد ہوا۔ اس درمیان میں ایک تاجر موسوم و معروف بہ خلف حسن بصری جو آشنائے قدیم احمد خان خانخانان کا تھا اس کے ارادے سے واقف ہوکر اپنے دروازہ کے باہر ایستادہ تھا۔ روبرو آکر شاہی طریقہ پر آداب بجا لایا۔ احمد خان نے اسے فال سعد اور نیک سمجھکر اُسے فرمایا کہ تو اپنے مکان پر جا مبادا میری دوستی کے سبب تیرے دشمنوں کو کسی طرح صدمہ پہنچے۔ خلف حسن بصری نے جواب دیا

که فراغت و آسائش میں جلیس وندیم رہا اور محنت و تعب میں خاک بیوفائی مردک
دیدہ میں جھونکنا ارباب وفا کے مذہب میں پسندیدہ نہیں ہے۔ جبتک جان تن میں ہے
خدا کی قسم تیری رکاب ظفر انتساب سے منہ نہ موڑونگا۔ ؎

سرے کہ از تو بہ پیچد بریدہ باد چو زلف
دلے کہ از تو بگردد سیاہ باد چو خال

اگر خداوند نعمت اس کمترین کو سلک بندوں میں منسلک کرکے نظر عنایت
ملحوظ فرماویں امید ہے کہ خدمات شائستہ اس خاکسار دیرینہ سے ظہور میں آویں ؎

من ہمچو خاک و خارم و تو آفتاب و ابر
گلہا و لالہ ہا ہمہ را تربیت کنی

احمد خان کو اس کا اخلاص پسند آیا اور اس نے اپنے ہمراہ لے لیا اور یہ فرمایا کہ
اگر زمام شاہی میرے ہاتھ آئیگی تو بھی ہمارا سہیم و شریک ہوگا۔ یہ کہکر منزل مقصود
کی طرف روانہ ہوا۔ اُس دن قصبہ خان پور میں مقام کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر خدا تعالےٰ
مجھے سلطنت عطا فرمائیگا تو میں اس قصبہ کا نام رسول آباد رکھ کر سادات مکہ و مدینہ
و کربلائے معلےٰ و نجف اشرف کو وقف کروں گا۔ جب ہشیار عین الملک اور بیدار
نظام الملک خواب غفلت سے چونکے اور احمد خان کی خبر فرار سُنی تو مضطرب ہوکر
سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال عرض کی اور سلطان
سے رخصت تعاقب حاصل کی۔ تین چار ہزار اور کئی فیل نامی جنگی لے کر احمد خان کے
سُراغ میں سرگرم عنان ہوئے۔ احمد خان رفقاء کی قلت اور اعداء کی کثرت سے
چاہتا تھا کہ ولایت کے درمیان داخل ہوکر بعض امراء کو ساتھ اپنے متفق کرے۔ مگر
خلف حسن بصری مانع آیا اور چتر سیاہ اس کے فرق مبارک پر لگایا اور آدمی حسن آباد
گلبرگہ اور بیدر اور کلیانی میں بھیجکر ایک جماعت ملازمان شاہ کو بوعدہ ہائے

دلفریب احمد خان کی ظل رایت میں لایا اور ان کی دلداری اور ساز و سامان کے مددگاری
کی۔ لیکن احمد خان اُس وقت جنگ سے پہلو تہی کرکے حسن آباد گلبرگہ کے اطراف میں جابجا
پھر رہا تھا۔ مگر شاہی فوج دار الخلافت سے پہنچکر چاروں طرف سے احمد خان کو گھیرا۔ احمد خان
مقید ہوکر ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ عالم رویا میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگوار خرقہ
درویشوں کا پہنے ہوئے اور ایک تاج سبز بارہ ترک کا ہاتھ میں لئے ہوئے اس کی طرف
تشریف لاتے ہیں۔ احمد خان نے ان کا استقبال کرکے سلام کیا اور وہ درویش شرائط
تہنیت بجالائے اور وہ تاج سبز اس کے زیب سر کرکے فرمایا کہ یہ تاج شاہی ہے۔ ایک
مشائخ گوشہ نشین اور متوکل نے تیرے واسطے بھیجا ہے۔ احمد خان بستر خواب سے
نہایت محظوظ ہوکر اٹھا۔ خلف حسن بصری کو طلب کرکے صورتحال اس سے نقل کی۔ پھر
فرمایا کہ میں جنگ کے بارے میں متردد تھا مگر اب ایسی بشارت فیض اشارت سے جو غیب
سے پہنچی میرے تمام شکوک رفع ہوئے۔ حسن بصری زمین خدمت کو لب ادب سے
بوسہ دے کر دو سو بہادر سپاہیوں کو ہمراہ لے کر کلیانی کی طرف روانہ ہوا کیونکہ احمد خان
نے اس نیک خواب کی بشارت کے بعد جنگ کا تہیہ کر لیا۔ ع

بگڑی بنجاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

جب خلف حسن بصری جو جنگ کے بارے میں ساعی تھا کلیانی کے مقام کو پہنچا
دو ہزار بیل غلہ سے محمول ولایت برار سے برائے تجارت آکر کلیانی کے حوالی میں فرودکش
ہوئے اور اسیطور سے تین سو گھوڑے سوداگروں نے لاہور سے لاکر آشوب راہ کے
سبب سے کلیانی میں مقام کیا۔ خلف حسن بصری نے گھوڑے سوداگروں سے
بقیمت اور بیل بنجاروں سے بعاریت لئے۔ اور بدستور دکن بیرقیں رنگارنگ بانس
کی چھڑیوں میں باندھ کر پیادوں کے حوالے کرکے ہر ایک کو ایک ایک بیل پر سوار
کرا اعداء کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔ ہنگامۂ فوج کی عین گرمی میں بیلوں کو میدان

الٰہی میں یہ تھا کہ احمد خان خان خاناں بتاج شاہی مشرف ہو۔ اُس وقت سلطان
فیروز شاہ پر اس قدر ضعف غالب ہوا کہ بیہوش ہوگیا۔ یہ خبر اس کی موت کی منتشر
ہوئی۔ خورد و بزرگ ترک رفاقت کرکے فوراً احمد خان خان خاناں سے جا ملے ہشیار
عین الملک اور بیدار نظام الملک نہایت مضطرب اور ہراسان ہوکر بادشاہ کو پالکی
میں اٹھاکر بسرعت تمام قلعہ کیطرف روانہ ہوئے۔ جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو سلطان
ہوش میں آیا اور زمانہ کی بازی سے متعجب ہوا۔ احمد خان نے رعایت ادب کرکے
بھائی کا تعاقب نہ کیا۔ سلطان فیروز شاہ نے حسن خان ولیعہد کو بُلاکر کہا کہ بادشاہی
بہ اتفاق لشکر ہوا کرتی ہے۔ جب ارکان دولت اور وزیر و امراء بادل ناشاد تمہارے
ساتھ شریک ہوں تو بادشاہی ناممکنات میں سے ہے۔ صلاح ملک اس میں ہے کہ
نزاع کو کہ موجب خرابی دو فنا ہے ہٹاکر اور احمد خان کا حلقہ اطاعت اپنے زیب
گوش کر۔ یہ کہکر قلعہ کا دروازہ کھولا۔ احمد خان خان خاناں مع جماعت معتمدان
قلعہ میں داخل ہوا۔ اپنے بھائی کے سرہانے جاکر زار زار رونے لگا اور یہ دو بیت
پڑھے ؎

ازین سر نوشتہ زسود و زیان   فلک را بہانہ منم در میان
ازآتش ستانند بہ آتش دہد   کند ہر چہ خواہد بما بر نہد

فیروز شاہ نے اظہار بشاشت کرکے کہا الحمد للہ کہ میں نے تجھے اپنے عین
عین حیات میں شاہ دیکھا۔ واللہ تو شایان سلطنت اور سزاوار مملکت ہے۔ میں
شفقت پدری کے باعث سے حسن خان کی ولیعہدی میں حتی المقدور سعی کرتا تھا۔
مگر اب تمہیں بخدا اور حسن خان کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اُٹھ مہمات سلطنت میں مشغول
ہو اور میں چند روز کا مہمان ہوں۔ میرے احوال سے غافل نہ رہنا۔ احمد خان نے
اُسی روز ماہ شوال کی پانچویں تاریخ ۸۲۵ھ کو تاج بھائی کا ایجاد کیا ہوا زیب سر کرکے

تخت فیروزہ پر جلوہ گر ہوا اور اپنا نام احمد شاہ بہمنی رکھا۔ خطبہ اور سکہ دکن کا اپنے نام پر جاری گیا اور اسی ماہ مذکور کی پندرھویں تاریخ کو سلطان فیروز شاہ نے جان خازن بہشت کے سپرد کی۔ (دیکھو تواریخ فرشتہ حصہ اول صفحہ ۳۱۴)

میر سید محمد گیسو دراز صاحب کی پیشنگوئی پوری ہوئی اور حق بحقدار رسید ہے

نہ فیروز ماند و نہ فیروز لیش + اجل کرد در خاک بہ روز لیش

خنک و رلحد خفت با بخت خود + نہ آما جگہ بردے تخت خود

ہمین است نقش و طراز جہان + یقین است کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانْ

سلطان احمد شاہ بہمنی اپنے سید محمد گیسو دراز کی عزت و توقیر بہت کرتا تھا۔ چند قصبہ اور قریہ سرکار حسن آباد گلبرگہ شمول دیگر پرگنات انہیں وقف کئے اور ایک مکان نہایت وسیع اور پاکیزہ شہر کے متصل ان کے واسطے ترتیب کیا۔ دکن کے آدمی سید ممدوح سے حد سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک روز ایک شخص نے ایک مرد دکنی سے پوچھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سید محمد گیسو دراز اسنے جواب دیا کہ حضرت محمد رسول اللہ (صلعم) اگرچہ پیغمبر خدا اور خاتم الانبیاء ہیں لیکن سبحان اللہ مخدوم سید محمد گیسو دراز چیزے دیگر ہیں۔ اسی قول سے عقیدہ اور اخلاص اہالی دکن کا نسبت ان سید مخدوم کے قیاس کرنا چاہیئے۔

معجزات و کرامات سید محمد گیسو دراز صاحب کے بے شمار ہیں مگر بباعث عدم گنجائش کتاب ہذا میں اندراج اور تفصیل کرنے سے قاصر ہوں۔

وصال سید محمد گیسو دراز

چنانچہ ایک سو پانچ برس چار مہینہ بارہ دن کی عمر میں دوشنبہ کے روز ۱۶ ماہ ذیقعدہ ۸۲۵ھ کی صبح کو آپ نے اپنے پاؤں بستر پر دراز فرمائے۔ دونوں ہاتھ سینہ پر رکھکر چشم حق بین کھلی رکھی اور منتظر وقت رہے۔ جو سانس آتی ذکر کرتی ہوئی آتی جو جاتی

ذکر کنان جاتی جسکی آواز سبکو اچھی طرح سُنائی دیتی۔ یکایک ایک نورانی ہنستی ہوئی صورت نظر آئی جونہی حضور کے لب پر اُس نے لب رکھا حضور کی آنکھوں سے پانی نکلا اتنے ہی میں حیات مستعار ختم ہوگئی۔ خود بذات حق سے واصل ہوئے۔ ے

محمد را فزود آری چو در گور
زہے روح و زہے راحت سرا

ساتھ کے ساتھ وصال کی تاریخیں بھی ملاحظہ ہوں:۔

تاریخین

انکہ سید محمدش نام است + بیگمان پیر اہل اسلام است
علمے را کشیدہ از چہرِ آز + برسن ہائے گیسوانِ دراز
ماہ ذیقعدہ بود شانزدہم + کہ شدہ سید بے بجسپخ نہم
سائل تاریخ او جو سائل جُست + عقل مخدوم دین و دنیا گفت

۸۲۵ھ

دیگر

مرقد عالیش بملکِ دکن + ہست چون در بقیہ قبرِ حسن
زیب تاجِ عارفان وصلش بخوان + ہم رقستم آن بادشاہِ اتقیا
سرور المخدوم حق آگاہ گو + تا برآید بہر وصلش مدعا
شد عیان از عقل ہادی جان نثار + رحلتِ آن سید دین رہنما
قطب ایمان نور البصار نبیؐ + کن رقستم ترحیل آن قطب الہدا
زد نیا رفت در فردوس والا + چو آن سید محمد شاہ حق بین
ز محبوب خدا و نبیرے محمد + عیان شد سال وصل آن شہ دین

دگر قطب الہدیٰ اشرف محمد — وصالش ہست باصد زیب و تزئین

دیگر

سنش عادل تولد وارثِ جود — وفاتش دان کہ تاج المرسلین بود

عمر	پیدائش	وفات
۱۰۵	۷۲۰ھ	۸۲۵ھ

شجرہ نسب مؤلفہ

سید یوسف شاہ المعروف شاہ جی ولد حاجی سید محمد نور شاہ مرحوم مدفون مکہ ولد سید محمد ناصر شاہ ولد سید زوتا شاہ ولد سید خستہ شاہ ولد عظمت شاہ ولد نعمت شاہ ولد ولیداد شاہ ولد سلطان شاہ ولد حمیداد شاہ ولد حاجی سید عمر شاہ ولد حاجی سید سلیمان شاہ رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ لنڈہ بابا رحمۃ اللہ علیہ ولد سید حسین شاہ ولد سید یوسف شاہ ولد ابی شاہمراد ولد تفاحص شاہ ولد غفور شاہ ولد عبداللہ شاہ ولد سید کریم ولد عبدالرؤف ولد عبدالجلال ولد عبدالغفور ولد عبدالرحیم ولد سید محمود ولد سید یوسف ولد سید مدور ولد تخمض ولد مشوانی ولد میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ مدفون ملک دکن گلبرگہ ولد سید غور ولد سید شاہ ولد سید عمر شاہ ولد شاہ قاف ولد شاہ قائن ولد ولادت شاہ ولد بہادر شاہ ولد ولی شاہ ولد رزاق شاہ ولد عبداللہ شاہ ولد ولایت شاہ ولد نور شاہ۔ ولد سید عالم شاہ ولد بہادر شاہ ولد ذاکر شاہ ولد محمود شاہ ولد قطب شاہ۔ ولد عزیز شاہ ولد سیدان شاہ ولد سید جمال شاہ ولد شاہ عارف۔ ولد شیخ خواجہ

ولد شیخ عبدالرحمٰن ولد شیخ عبدالجلال ولد شاہ ریحان ولد سید اسمٰعیل ولد امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ولد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ولد امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ولد امام حسین علیہ السلام ولد حضرت سیدنا علی علیہ السلام ولد ابو طالب صاحب ولد عبدالمطلب صاحب ولد ہاشم صاحب ولد عبدالمناف صاحب بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن قیصر بن کنانہ بن حزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اُد بن اُدد بن یسع بن ہمیسع بن سلامان بن حمل بن قیدار بن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام بن تارخ المعروف بہ آذر بن ناحور بن ساروغ بن ارغو بن فالغ بن عابر یا ہود بن شالخ بن ارفخشا بن سام بن نوح علیہ السلام بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنے ادریس علیہ السلام بن یارد بن حضرت مہلائیل علیہ السلام بن قینا بن انوش بن شیث علیہ السلام بن آدم صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

تفصیل اولاد جناب میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

سید محمد گیسو دراز

- ستوریانی
  - سید محمد، اسماعیل، مرزری، تری، نخی
- مشوانی
  - ورڈگ
    - سید محمد، سید میر، سید خانی، سید نور
  - ہنی
    - سید مجلے، سید مردون، سید بوعزے، دولت
    - دوشتم / زونخت
  - سید تخمض، لودن، منکاتی، سلمانے، روغانے، کزبوتے، عزیب، حزبارے، سید ریاض
    - تخمض: نقص
    - منکاتی: لکانی
    - سلمانے: سپاری
    - حزبارے: زربارے
    - سید ریاض: یاغن

سید نقص ۲۷

سید کسوڑ — دہمند — سید بزرگ — سید نادور ۲۶

سید موسیٰ — سید سنجر — سید یوسف ۲۵

سید عثمان — سید محمود
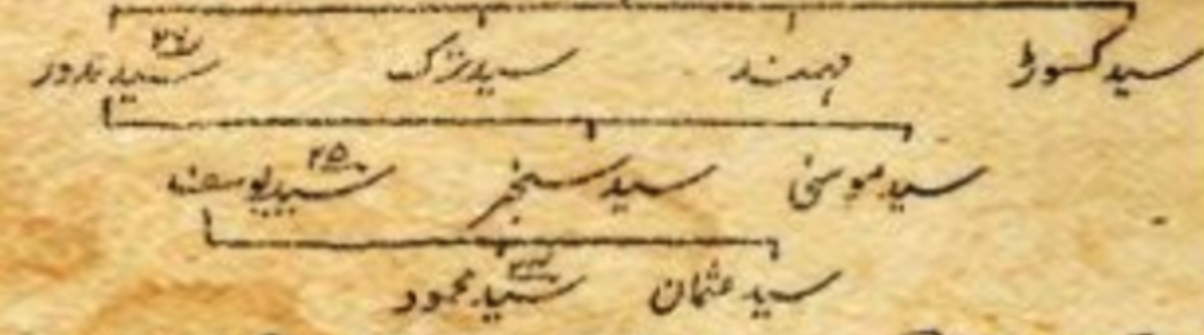
از سید محمود سید عبدالرحیم و از و سید عبدالغفور۔ از و سید عبدالجلال۔ از و عبدالرؤف از و عبدالکریم۔ از و عبداللہ از و نقص الدین از و سید غفور شاہ معروف بہ کپور شاہ یہ وہ کپور شاہ جو سب سے پہلے سری کوٹ میں آکر آباد ہوا تھا۔ از کپور شاہ سید تفاحص شاہ۔ اس تفاحص شاہ کے دو پسر تھے ابو صفیان اور ابی شاہزاد۔ ابو صفیان اور اسکی اولاد کنڈی وامرخانہ میں جاکر آباد ہوئے اور ابی شاہزاد اور اسکی اولاد سری کوٹ اور گرد و نواح کے علاقہ پر قابض ہوکر آباد ہوئے

ابی شاہزاد کے دو لڑکے تھے

سید یوسف — سید یعقوب

سید یوسف: حسین شاہ (اس سے تپہ حسین خیل قائم ہوا) — سکندر شاہ (اس سے تپہ درا خیل قائم ہوا)

سید یعقوب: امان شاہ (جد امانی خیل) — جانی شاہ (جد جانی خیل) — باجی شاہ (جد باجی خیل)

حسین شاہ کے دو پسر تھے

حاجی ہاشم (اس کی اولاد گنجیان پر مشہور ہے) — سید حاجی سلیمان شاہ المعروف بہ لنڈہ بابا

سید حاجی سلیمان شاہ: حاجی عمر — حاجی اصغر

رحیم داد — حیدر شاہ — زرین شاہ

سلطان شاہ

ولید اد شاہ

ولید اد شاہ

نعمت شاہ

عظمت شاہ

صاحب شاہ (اس کی اولاد صاحب خیلی مشہور ہوئی) — حنیف شاہ

زدتا شاہ

سید محمد ناصر شاہ (اس کی اولاد مولایان پر مشہور ہے۔ یہ عالم جید تھا۔ بہت کتب تصانیف موجود ہیں)

تفصیل اولاد سید محمد ناصر شاہ

قاضی سید حضرت نور شاہ — مولانا سید احمد نور شاہ — مولانا حاجی محمد نور شاہ — سید احمد جی صاحب

یہ قاضی حضرت نور شاہ ایک زبردست پہلوان اور عالم فاضل تھا۔ ان کو ابتدا میں گورنمنٹ برطانیہ نے دو صد روپیہ ماہوار تنخواہ گھر پر دینا منظور کرکے ان سے قاضی کا کام لینا چاہا مگر انہوں نے نامنظور کیا۔ ان کے چار لڑکے ہوئے:۔

مولوی سید محمد حسن — مولوی سید محمد حسین — حافظ سید محمد حنیف — سید فضل حق

سید عبدالعزیز — سید عبدالقیوم — سید شاہ حسین — سید حسین — سید لطیف شاہ — سید عبدالحی — سید عبدالسلام

سید عبدالرفیق — سید محمد حبیب — صادق حسین — صادق حسن (وفات) — لاولد — سید نورالحق
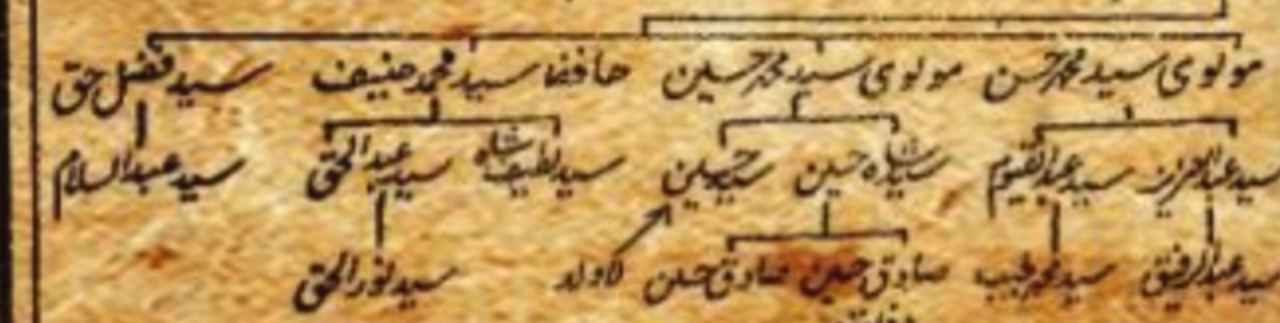
مولانا سید احمد نور شاہ صاحب نہایت فیاض اور اعلیٰ قومی لیڈر تھے جب سے انہوں نے دنیا کو الوداع کہا تو قوم میں جھگڑوں اور پنچایتوں کے فیصلوں کا بھی خاتمہ ہوا۔ ان کے بھی چار لڑکے ہوئے۔

مولانا سید احمد نور شاہ

سید حضرت جی — سید حضرت اللہ — سید حبیب اللہ — مولانا سید عصمت اللہ شاہ

سید محمد حنان — سید محمد شفیع — سید عثمان — سید رفیع اللہ — سید امان اللہ — سید فضل الٰہی — لاولد

اولاد مولانا احمد نور شاہ صاحب مرحوم موصوف بالا میں سید عصمت اللہ شاہ صاحب
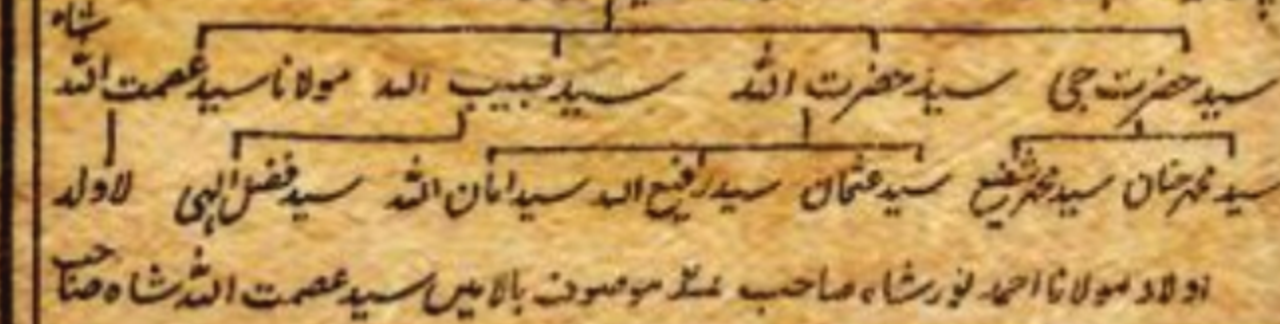
بہت بڑے عالم جید تواریخ دان ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے حد سے زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تارک سُنتِ نبویؐ ٹھہرا کر دوسری شادی سے پہلو تہی کی جس کی وجہ سے تادم تحریر ہذا اولاد سے محروم ہیں۔ یہ داغ جگر سوزان کے لئے خصوصاً اور باقی خاندان کے لئے عموماً علی الدوام ناقابل فراموشی ہے۔

شہزادی زیب النساء دختر شاہ اورنگ زیب کو بھی خاوند سے سخت نفرت تھی ساٹھ سال کی عمر کنوارہ پن میں گذاری مگر مرتے وقت وہ بھی اولاد جیسے ثمر کو نہ بھول کر آبدیدہ ہو کر جان کندنی کے وقت یہ شعر زبان پر جاری رکھا۔ ؎

برمزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

مولانا حاجی سید محمد نور شاہ صاحب ۳؎ صاحب صوات رحمۃ اللہ علیہ کے خاص الخاصوں میں تھے۔ صاحب صوات ان کو حاجی گل نام سے یاد کیا کرتے تھے اور خطبہ جمعہ انہی سے پڑھوا کر نماز بھی انہی کے پیچھے کھڑے ہو کر ادا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے چھ یا آٹھ مرتبہ حج بیت اللہ شریف ادا کیا تھا۔ صرف آخری حج کے لئے گاڑی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے باقی سب کے سب بمبئی تک پیادہ سفر کیا کرتے تھے ہندوستان۔ علاقہ سندھ سکھر لاڑکانہ۔ دکن میں ان کے بہت زیادہ مرید ہیں۔ ان کے چھ لڑکے ہوئے۔

مولانا حاجی سید محمد نور شاہ مکی

سید حاجی حمید اللہ شاہ — حاجی حافظ سید رسول شاہ — سید صفی اللہ شاہ — سید شریف — سید لطیف — سید یوسف

سید یعقوب شاہ

سید غلام سرور شاہ — سید عزیز الرحمان — سید صفدر حسین

لاولد — لاولد

سید محمد عیسیٰ شاہ — سید محمد طاہر شاہ — محمد ایوب

حافظ سید عبدالحی شاہ — سید محمد موسیٰ شاہ — خلیل الملک شاہ — سید بادشاہ — سید محمد ادریس

سید محمد اسحٰق
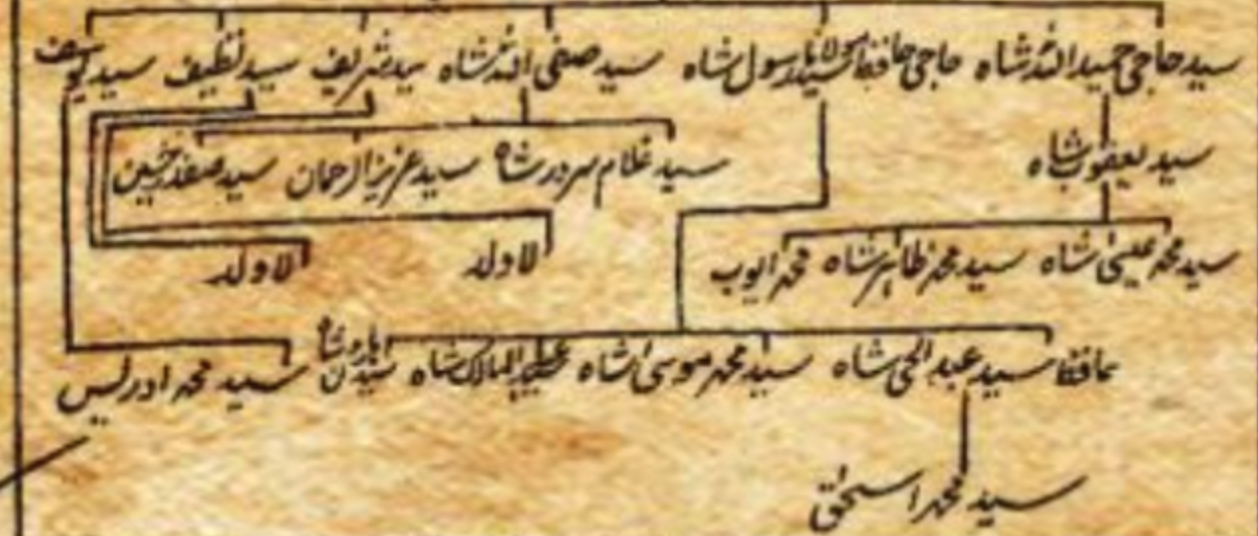
اب اس خاندان کے چراغ حاجی مولانا حافظ القرآن سید رسول شاہ صاحب ہیں جنہوں نے اپنے والد مرحوم کی سُنت کی پیروی کر کے آجتک اپنے مریدانِ سندھ سے تعلقات منقطع نہیں کئے۔ مگر تعجب ہے کہ بجائے پیری مُریدی کے ان کے تعلقات جناب خان بہادر نواب محمد پناہ خانصاحب ممبر وائسرائے کونسل آف درکن سندھ اور ان کے بھائی اللہ دین خانصاحب و محمد حسن صاحب و جناب غلام قادر خانصاحب رئیس اعظم لاڑکانہ کے ساتھ بالکل برادرانہ ہیں۔ خداوند کریم ان ہردو خاندانوں کے تعلقات بدستور قائم رکھے اور خصوصاً خان بہادر صاحب و حاجی صاحب کا جوڑہ سلامت رہے۔ جن پر دونوں خاندانوں کا دارومدار ہے۔ آمین۔

سید احمد جی شاہ صاحب مال مویشی سے بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے انکی بھینسیں آجکل سری کوٹ میں تمثیلاً یاد ہوا کرتی ہیں۔ ان کے چار لڑکے ہوئے۔

سید احمد جی شاہ صاحب

سید اکبر شاہ — سید اصغر شاہ — سید علی اکبر شاہ — سید محمد جی

سید غلام نبی شاہ — لاولد — سید الیاس — لاولد
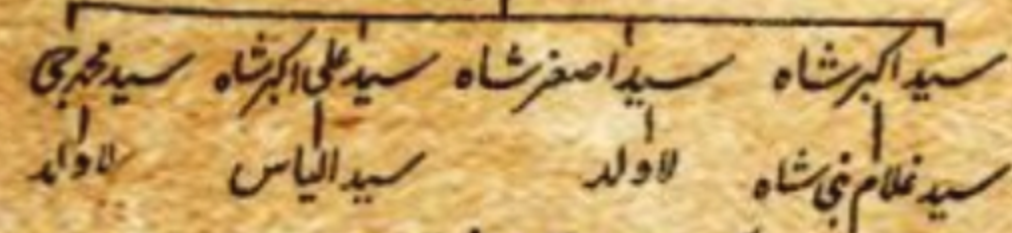
ایک غلط فہمی کا ازالہ

بمقام حسن آباد گلبرگہ علاقہ دکن میں ایک گھرانہ ایسا بھی ہے جو اپنے آپ کو سادات اور سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ظاہر کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ سادات تالابی پر مشہور ہیں۔ ایک روز سید محمد گیسو دراز صاحب بمقام گلبرگہ ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے اچانک جذبہ میں آکر فرمایا کہ اس وقت جو کوئی میری مریدوں میں سے اس تالاب اس تالاب میں کودیگا۔ تو وہ دن قیامت میں میری اولاد کے ساتھ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے علم لینے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہوگا۔ ایک مرید دکنی جو اس وقت موجود تھا موقعہ کو غنیمت سمجھ کر یکدم تالاب میں کود کر ہلاک ہوا

سید محمد گیسو دراز صاحب نے اس کو بلا کر فرمایا کہ بیشک تو میرا بچہ ہوا رفتہ رفتہ وہ مُرید ان کے بچہ پر مشہور ہوا اور اس مرید کی اولاد بھی سادات تصور ہونے لگی در حقیقت وہ "تالابی سادات" ہیں۔ سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلی اولاد نہیں۔ چونکہ مشوانی در دگ ہنی چھوٹے چھوٹے بچے افغانستان میں ہی رہ کر اور یہاں ہی بود و باش اختیار کی اس لئے سید محمد گیسو دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے مجاور اور اراضیات وغیرہ اشیاء دکن گلبرگہ کے حقدار بھی وہی سادات تالابی تصور ہوئے اور آجتک قابض بھی ہیں لیکن وہ سید محمد گیسو دراز صاحب کی حقیقی اولاد نہیں (دیکھو تواریخ خورشید جہان صفحہ نمبر ۲۷۷)

متفرق شجرہ نسب قوم مشوانی

لوکل گورنمنٹ بحوالہ دفعہ ۱۵ ایکٹ ۳۳ سال ۱۸۷۱ء ہزارہ

سب سے پہلے جو سری کوٹ میں آکر آباد ہوئے کپور شاہ اور محمد شاہ تھے۔

تفصیل اولاد کپور شاہ

کپور شاہ

نفاس شاہ

تفحص شاہ

شاہ مراد — ابی صفیان

سید یعقوب شاہ — سید یوسف شاہ

اسکی اولاد گنڈی مرخانہ آباد ہے۔

اس کی اولاد کی تشریح آگے آئیگی انشاءاللہ۔

امانت شاہ — باجی شاہ — جان شاہ

جد — جد — جد

امانی خیل — باجی خیل — جانی خیل

تفصیل اولاد امانت شاہ جد امانی خیل پسر اول سید یعقوب شاہ

امانت شاہ

سید عبدالجبار

سید عبدالستار — ولیداد

بہالو شاہ — جلال شاہ — نامدار شاہ — حاتم شاہ

اس ولیداد کی اولاد کی تفصیل آگے درج ہے۔

جد جلال خیل

ان ہر چہار برادران کی اولاد کا شجرہ نمبروار علیحدہ علیحدہ آگے لکھا جاتا ہے:۔

تفصیل اولاد بہالو شاہ ولد عبدالستار

بہالو شاہ

بہادر شاہ

آدم شاہ

شاہ جہان — گوہر شاہ

عبداللہ شاہ — شاہ عبدالعزیز — محب شاہ

خان محمد — علی شاہ — رحمت — قناعت شاہ — صلابت

دراب شاہ — ہمت شاہ — منصف شاہ — نوزیت

امیر باز — لعل باز — مان بیگ — سعادت شاہ — دالت شاہ — گلباز

نواب — ظہراب جنگباز — رستم شاہ — موسم شاہ — سوسین شاہ — عزن شاہ — سرگند — سعادت شاہ

زرین شاہ — جلال شاہ — سید شاہ — آزاد — قاسم — دوستم — دولت شاہ — دعلشاہ — سرانداز شاہ

خان جہان — شاہ جہان — شیر علی — سید علی — گلپت خاہ — امانت شاہ

بہرام شاہ — رستم علی — سلطان علی — حسن علی — محمد علی

۱۰۸
بہرام شاہ
محمد علی
حسن علی
سلطان علی شاہ
رستم علی شاہ
شیر محمد
فیض اللہ
طرہ باز
سید عبداللہ
سید عباس
تفصیل اولاد جلال شاہ جد جلال خیل برادر بہلول شاہ ولد سید عبدالستار
جلال شاہ
کمال شاہ
علی محمد
راحت
درگاہی
معظم
نادر شاہ
انور
۱۰۹
معظم
نادر شاہ
انور
حسین
اکبر شاہ
حسن علی
محمد خان
تفصیل اولاد نامدار شاہ برادر بہلول شاہ و جلال شاہ ولد سید عبدالستار
نامدار شاہ
عالم شاہ
سید خوشحال
غازی
کرم شاہ
اورنگ شاہ
لعل بیگ
عظیم شاہ
سلطان شاہ
فقیر شاہ
خان بیگ
عدل بیگ
سلام بیگ
مومن شاہ
رحیم بیگ
سلیم شاہ
رحمت
گلباز
محمد گل
گل بیگ
محمد علی
احمد بیگ
خان باز
جنگباز
دل باز
حلیم شاہ
حسین شاہ
احمد

تفصیل اولاد حاتم شاہ برادر بہاول شاہ، جلال شاہ و نامدار شاہ ولد سید عبد الستار

تفصیل اولاد ولیداد برادر سید عبد الستار ولد سید عبد الجبار ولد امانت شاہ
یعنے پسر دوم سید عبد الجبار

تفصیل اولاد باجی شاہ پسر دوم سید یعقوب شاہ

۱۱۲
جلندرشاہ
قلندرشاہ
کامل شاہ
رستم دیدارخان
مقرب
پیرخان خانیزمان
اشرف
تفصیل اولاد جان شاہ پسر سوم سید یعقوب شاہ
جان شاہ
شادشاہ
امین شاہ
جہانگیرشاہ
آزادشاہ
یارشاہ
جلال شاہ
تراب شاہ
عدل شاہ بنگالی
بہرام شاہ
خدرشاہ
یوسف شاہ
مرادشاہ رحمت شاہ
رحیم شاہ گوجرشاہ عزیزشاہ وزیرشاہ
بہاگوشاہ میرباز
بہادرشاہ
انورشاہ
سید میر
۱۱۳
بہادرشاہ انورشاہ سید میر
کریم شاہ قادرشاہ زورشاہ قہرشاہ طرہ باز بازی شاہ حیدرشاہ کشنباز جان باز
طلب شاہ جنگباز نبرباز شاہ گل شیر احمدشاہ
نوبت ارباب
سردار ابراہیم پیرخان
تفصیل اولاد سید یوسف شاہ برادر سید یعقوب شاہ ولد ابی شاہ مراد ولد تفاحص شاہ المعروف بہ نفاس شاہ ولد کپورشاہ فاتح اول سری کوٹ
سید یوسف شاہ
محبوب شاہ حسین شاہ
اس کی اولاد کی تشریح آگے درج ہے
سکندرشاہ
دریاخان
پائندہ خان شاہ خان (اسکی اولاد کی تشریح آگے درج ہے)
آزاد سید جلال
رحمت شاہ فتح خان نورخان
عظمت شاہ کرم خان عمرخان
نعمت بیگ جلال خان نظیرخان حمزہ خان
سلام بیگ امان بیگ داد بیگ
نوربیگ لال بیگ صدرے قاسم عزیز
دلباز ہاشم گلباز ہاشم فیض اللہ حسن

تفصیل اولاد شاہ خان برادر پائندہ خان

ولد دریان

شاہ خان

علی خان ناصر بوہر

مصری خان سردار شاہ جہان خان جہان

امیر خان مرزا رحیم ملا رضا جان گل جہان

ملتان نور خان حاتم کالو ستار شاہ خناس شاہ سید شاہ

جم خان مہراندار گلاب شاہ امام شاہ نور حسن شیر حسن طیار شاہ اکبر شاہ

طوطی نجب عزت میاں نور سلطان شاہ افضل زمان شاہ

عبداللہ شاہ جین شاہ بالا شاہ زرداد لعداد شاہ داد حیز ولی

موسم موتم دستیر خان باز خانباز

عباس فیروز ابراہیم جنگباز نواب جمرہ باز شیرباز

بہرام دلباز شیرباز احمد مہربان شاہ

جبار شاہ نادر شاہ سید محمود شاہ حسین شاہ

شیر شاہ محمد شاہ نور شاہ قاسم شاہ

معزاللہ احمد شاہ حسین شاہ حسن علی سرفراز قاسم اشراف ہیثم معظم

الافغان عزیز خان آزاد یوسف عبداللہ

الکرم ظریف خان شریف خان زرداد سید شاہ حضرت شاہ محبوب شاہ

کنڑباز منیر خان ملک راوت سلیم شاہ

شاہ باز حسنہ خان ملک عالم شاہ مور خان اکبر شاہ

نظر خان حمزہ خان

سعادت شاہ ولی عنایت فتح محمد یوسف احمد محمد

دارا شاہ دائم شاہ محمد شاہ جمال خان جلال خان عالی رحمت طوری رجب

فتح شیر سید شیر کامل شیر کمال شاہ نوبت دولت نجیب

معظم شاہ زمان شیر طوری عباس آزاد نوبت محمد خان زند خان احمد خان

خواص میر عباس حسن محمد اکبر امیر خان

عنایت شیر شام بیگ میر خان شاہ خان

نجیم شاہ گل شاہ

حبیب شاہ نور شاہ

خادی شاہ عرب شاہ مسلم شاہ سبحان شاہ

حسن شاہ غلام شاہ احمد شاہ ملک حسین

گل حسن ملک حضرت شاہ امیر شاہ شیر زمان سعادت سمند شاہ

مبارک شاہ جبار شاہ اکبر شاہ فیروز شاہ نواب شاہ سید اکبر امانت شاہ رحمت اللہ

قائم شاہ ملک سید رشاہ نادر شاہ بہادر شاہ امان شاہ تاج شاہ حسین شاہ سید حنیف شاہ

میرزمان سید زمان سید سکندر شاہ سید عطر شاہ خان سید شہسوار

ددان شاہ

نور خان مہران شاہ طرہ باز وفباز جنگباز

لعل خان اکرم شاہ احمد شاہ زرباز میرباز شیرباز

١١٦
شاہ باز
احمد خان
حستہ خان
امیر خان
ملک سید عالم شاہ
سید مبارک شاہ حاجی سید نادر شاہ سید کالا خان سید علی شاہ
تفصیل اولاد حسین شاہ جد حسین خیل برادر محبوب شاہ ولد یوسف شاہ ولد ابی شاہ ہمراد ولد تفاحص شاہ ولد کپور شاہ
حسین شاہ
حاجی ہاشم
حاجی سلیمان
اس کی اولاد کی تشریح آگے ہے
عبدالکریم
عیسیٰ
الیاس
خوشحال
متو شاہ
شیر خان
شاہ خان
جان خان
سلطان
خیر محمد
١١٧
تفصیل اولاد حاجی سلیمان المعروف بہ لنڈہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ برادر حاجی ہاشم ولد حسین شاہ
حاجی سلیمان
اختر شاہ
حاجی عمر شاہ
سید عزیز
رحیم داد
کریم داد
صراجان
زین خان

مختصر تفصیل حالات المعروف بہ تراں مشوانیان

خدایار و دوست محمد دونوں بہائی گنڈی میں آباد تھے بباعث ایک قتل کے "شر ولی" ہوکر حزبارہ میں جاکر آباد ہوئے۔ کچھ دن کے بعد خدایار آکر سری کوٹ میں آباد ہوکر تیۂ حسن خیل میں شامل ہوا اور دوست محمد نے حزبارہ میں ہی سکونت اختیار کی :-

تفصیل اولاد خدایار

خدایار

گل محمد المعروف بہ گلے

ہجم شاہ قاسم شاہ موسم شاہ

شاہ شرف شاہ ولی سید ہاشم شاہ انار شاہ سید عباس

مشرف شاہ نواب شاہ اشرف شاہ خواص شاہ فقیر شاہ سید عباس امیر شاہ موازشاہ

دوست محمد شاہ سید غفار شاہ سید خیار شاہ سید سمندر شاہ سید میر شاہ حیدر شاہ معروف بہ کالا کاکا شاہ ولی

محمد شاہ سید ہاشم علی سید غلام شاہ سید زیور شاہ سید زرگور شاہ سید موسیٰ شاہ سید الیاز شاہ

وفات

شیر شاہ زمان شاہ تراب شاہ سید جبار شاہ سید حکیم شاہ سرور شاہ

فضل رحمان رحمان شاہ فرمان شاہ عبد الرحمان محبوب الرحمان نور شاہ حسن شاہ

خلیل الرحمان قلندر شاہ

تفصیل اولاد دوست محمد برادر خدایار

ابراہیم المعروف بہ بھیا رحیم خان

سرگند عبد الکریم ظریف نور خان

نور سید نور احمد سید احمد

سبحان شاہ تراب شاہ شاہ صاحب سید علی شاہ منیر شاہ

سکندر شاہ غفار شاہ پہلوان شاہ جعفر شاہ

سید رحمان رحمان شاہ گل رحمان

اس خاندان کے افراد نارگاہ سری کوٹ میرہ گنڈی حزباڑہ میں آباد ہیں

اس تمام خاندان میں سید سمندر شاہ صاحب رسالدار کی ہستی بالخصوص نمایاں اور بے نظیر ہے۔ یہ ایک فیاض اور صادق الوجود جوان ہے۔ اگرچہ اس خاندان کا ظہور خدایار سے شروع ہوا ہے مگر عروج خاندان کا بانی اسی سمندر شاہ صاحب موصوف کو ہی سمجھنا چاہیئے۔ اس میں قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ اس نے اپنی جوانمردی کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ پیش کیا کہ چھاؤنی لنڈی کوتل میں کسی فوجی محکمہ مسلمانوں کے لئے جائے نماز نہ تھی اور نہ ہی قلت جگہ کی وجہ سے حکام اجازت دیتے تھے۔ اس نے خود جرنیل کو ملکر بڑے زور سے مسجد کی منظوری لے لی۔ اور ۱۹۲۷ء میں اپنی خرچ سے اعلیٰ مسجد تیار کی جو آجکل بھی موجود ہے اور ہوگی۔

تفصیل اولاد سید خانیزمان شاہ حسین خیل

سید خانی زمان شاہ

سید صدر شاہ سید میر زمان شاہ

سید یوسف شاہ مولانا حافظ سید احمد شاہ میر ال شاہ تیر دل شاہ نادر شاہ

سید جان شاہ سید سلیمان شاہ سید سمندر شاہ سید لطف باز شاہ جہانداد شاہ

سید یحییٰ سید یعقوب سید محمد یوسف شاہ مظفر شاہ

سید محمد صالح شاہ سید محمد طیب شاہ سید فضل احمد سید عبد الرحمان شاہ شاہ رحمان

سید شاہ داد سید بہادر شاہ سید شیر داد

اللہ داد

فضل شاہ
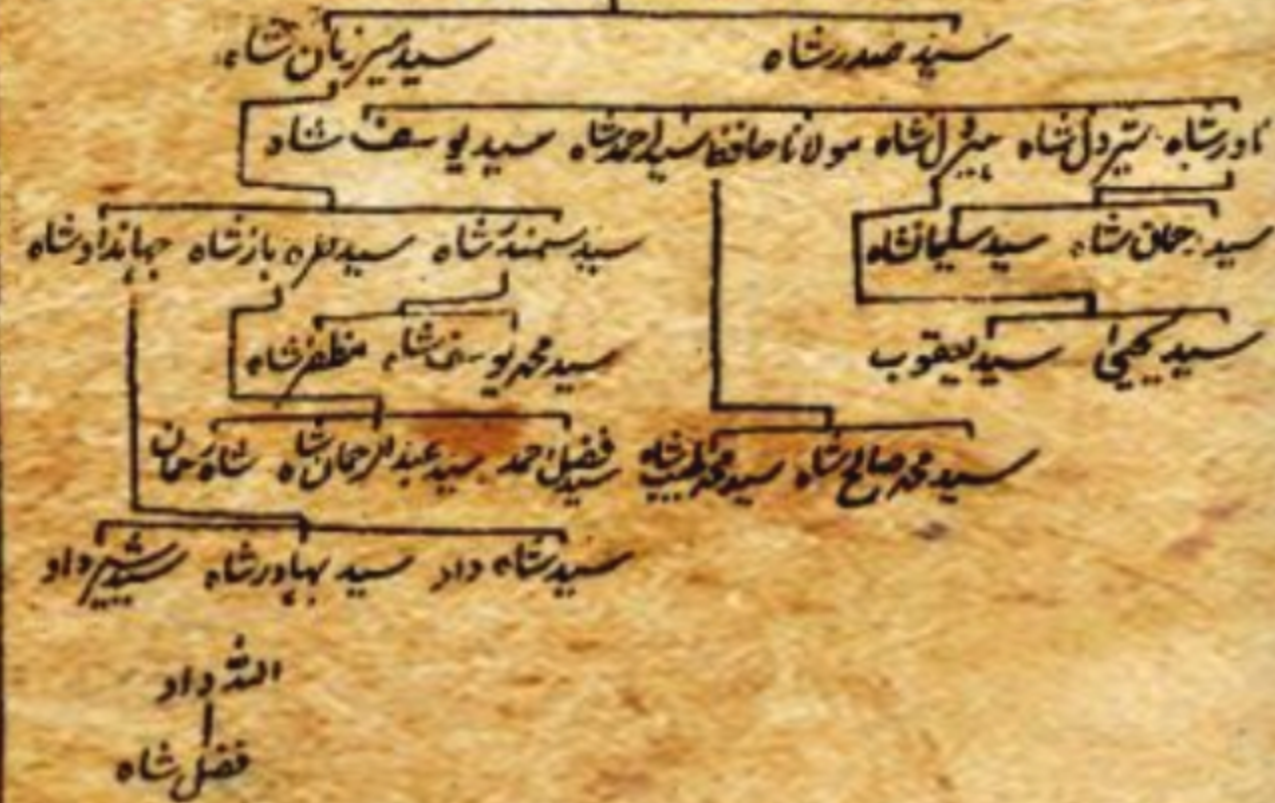
اس خاندان میں مولانا سید حافظ سید احمد شاہ صاحب قاری ایک نہایت ہی متقی اور اسلام کے سچے خادم ہیں "مدرسہ رحمانیہ" ہری پور جس میں مساکین اور دیگر طلبا کو تعلیم قرآنی اور فقہ احادیث وغیرہ دینیات کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں یہ اُن ہی کی

کوشش اور اعمال حسنہ کا نتیجہ ہے۔ اُن کے بہت مُرید بھی ہیں مگر ان کے رنگو نوی مُرید قابل صد آفرین ہیں مدرسہ بالا میں ان کے لئے ثواب کا کافی حصہ ہے۔ سری سلمان اُن کے اخلاص کیلئے ہمیشہ کیلئے مشکور ہیں۔

چالیس سال قبل

سری کوٹ کا ملکی نظام نہایت عمدہ تھا۔ کل فیصلہ جات ملکی و قومی بذریعہ جرگہ قومی فیصلہ ہوا کرتے تھے۔ ملک عبدالجبار۔ ملک فتح محمد۔ ملک حضرت شاہ۔ ملک عالم شاہ۔ مولانا سید احمد نور۔ ملک سید محمود۔ عباس خان ننگی۔ خویداد خان چونتری و دولت و عزیز خان گلی سشاہ رندان گلی خاص قابل ذکر ہیں۔ ان میں اختلاف بھی ہوا کرتا تھا۔ مگر ملک عبدالجبار۔ ملک فتح محمد۔ ملک حضرت شاہ۔ ملک سید محمود ملک عالم شاہ اور مولانا سید احمد نور کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے اور ان ہی مؤخر الذکر حضرات کا فیصلہ گویا ہائی کورٹ کا فیصلہ تصور کیا جاتا تھا۔ جب ان حضرات نے یکے بعد دیگرے دنیا سے رحلت فرمائی تو سری کوٹ کو ایک نئے اور عظیم الشان انقلاب سے دوچار ہونا پڑا۔ ملک دو حصہ میں منقسم ہوا اور پارٹیاں بن گئیں۔ ایک پارٹی کا بانی جاگیر دار خانصاحب سید شریف مرحوم تھا اور دوسری پارٹی کا بانی شہید مرحوم سید صفی اللہ صاحب جرگہ نشین تھا۔ مختلف مقدمات، تنازعات اور اختلافات کا بازار گرم ہوا۔ ملکی مقدمات عدالتوں میں منتقل ہونے لگے۔ اگرچہ یہ دو حضرات زبردست اور اپنے اپنے پوزیشن اور مسند پر ڈٹے ہوئے تھے تاہم صد آفرین کہ انہوں نے کبھی ایک دوسرے کو حقارت سے نہیں دیکھا اور ایک دوسرے کی خوب باقاعدہ با تہذیب عزت کیا کرتے تھے۔ اگرچہ ملک سمندر شاہ بھی ایک تہائی پارٹی کا بانی تھا۔ مگر اس نے کبھی ان میں سے کسی کا ساتھ نہ دیا تھا۔ اسکی عمر درازی نے اُسے تجربہ کار بنایا ہوا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک خون اور ایک قریبی رشتہ دار ہیں آخر انہوں نے ایک ہو جانا ہے اور مجھے ناحق شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جب دنیا کی نیرنگی چالیں ان دو حضرات کے بھی موافق نہ رہیں اور یہ بھی ہمیشہ کے لئے دنیا کو الوداع کہہ چکے تو ملک میں ایک اور مصیبت پھیل گئی یعنی سید صفی اللہ صاحب مرحوم کے جانشین حافظ سید عبدالحیٔ قرار دیئے گئے اور سید شریف صاحب مرحوم کے جانشین ملک سید عبدالرؤف قرار دیئے گئے۔ خیال تھا کہ یہ حضرات پدری اختلافات کو بستہ نسیان میں لپیٹ کر آئندہ زندگی پر امن طریقہ پر بسر کریں گے۔ مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا بلکہ پدری اختلافات سے تجاوز کر کے جنگ و جدال تک نوبت پہنچائی۔ سرکاری کمیشن کی موجودگی میں دونوں پارٹیاں گوتال میں آمادہ فساد ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین کے آدمی مجروح ہوئے۔ حکام نے دونوں پارٹیوں کے خلاف مقدمہ کی سماعت سے انکار کر دیا کیونکہ حکام جانتے تھے کہ آجکل سری کوٹ پرہ جنگبہ کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور یہی دو حضرات اُس کے بانی ہیں اگرچہ یہ معاملہ اخیر ۱۹۲۸ء اور شروع ۱۹۲۹ء کا ہے مگر آجتک ان حضرات کو سرکاری دروں کو کھٹکانے سے فرصت نہیں ملی۔

حیرت ہے

کہ ملک سمندر شاہ صاحب جو کبھی ثالث تصور ہوا کرتا تھا اس سے بھی صبر نہ ہو سکا اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر میدان میں کودا۔ تاہم خیال تھا کہ یہ ایک دیرینہ سال تجربہ کار اور لائق انسان ہیں ضرور کوشش کر کے ان جوانوں کو شر سے محفوظ رکھیگا۔ بلکہ ان میں اتحاد کا بیج بوئیگا۔ مگر ع

آں ہم نشد میسر و سودائے خام شد

تاہم سب سے زیادہ مجرمان عبدالرؤف و عبدالحیٔ ہیں جو اپنی رشتہ دار اور ایک خون

ہونے کی نہ قدر کرتے ہوئے ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ورنہ آج لوگ خندہ پیشانی سے ان کے تماشبین نہوتے اور اگر آج بھی یہ صلاحیت پیدا کرلیں تو دیکھ لیں کہ بہتوں کے گھر میت نہوگا مگر ماتم ضرور ہوگا۔

اس سے زیادہ کیا بدقسمتی ہوسکتی ہے کہ ایک گھرانا دو ہوا۔ اخیر میں دعا ہے کہ خداوند کریم ان دونوں کو صراط المستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائے۔ آمین

قلعہ سری کوٹ

یہ قلعہ سردار ہری سنگھ نلوہ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جرنیل تھا کا بنایا ہوا ہے سکھوں کے بعد قلعہ سرکار برطانیہ کے قبضہ میں آیا۔

سنہ ۱۸۸۳ء کا ایک واقعہ

سید حضرت جی و سید حضرت اللہ ہنیتر دفعدار پیران مولانا قاضی سید نور احمد شاہ صاحب رسالہ ۵ پنجاب میں ملازم تھے۔ گورنمنٹ کی طرف سے پہلوانوں کا ایک دنگل بمقام بنوں منعقد ہوا جس میں تمام انڈیا کے نامور چابک سواران و پہلوانان شامل تھے اور فتح پانے والے کے لئے اعلیٰ اعلیٰ انعام مقرر تھے۔ پہلے تو مشترکہ گھوڑوں کے برہنہ کمروں پر سوار ہو کر کشتیاں ہوتی رہیں۔ آخر تمام پنجاب کی طرف سے پہلوان ہردیال سنگھ چابک سوار اور فرنٹیر کی طرف سے سید حضرت جی صاحب اول الذکر پہلوان چابک سوار کے مقابلہ میدان میں نکلے۔ دو گھنٹہ تک کشتی ہوتی رہی آخر حضرت جی صاحب نے نعرہ تکبیر بلند کرکے سکھ پہلوان کو زمین پر دے مارا۔ حضرت جی صاحب کی خدمت میں سرکاری سلامی اتاری گئی۔ صوبہ سرحد کو فتح اور پنجاب کو شکست ہوئی۔ اس صلہ میں کمانڈر انچیف نے گورنمنٹ سے

سفارش کرکے قلعہ سری کوٹ کو بطور انعام حضرت جی صاحب کو بخشدیا۔ مگر انعام میں حضرت جی صاحب کی تاحیات فقط مرقوم تھا جبتک وہ زندہ رہے قلعہ ان کے قبضہ میں تھا اور تمام خاندان کا اس میں کافی گذارہ مال مویشی ہوجایا کرتا تھا۔ جب وہ دنیا سے رحلت فرماگئے تو سرکار کی طرف سے قلعہ پر سالانہ بولی ہونے لگی۔ پہلے سال یہ قلعہ شہید مرحوم صفی اللہ صاحب نے دو روپیہ سالانہ بولی پر لیا۔ سال کے بعد مرحوم موصوف و مرحوم خانصاحب سید شریف صاحب جاگیردار کی کشمکش میں پھر بکی سید صفی اللہ صاحب آٹھ روپیہ سالانہ پر بولی ختم ہوئی۔ تیرے سال پھر بالا صاحبان کے اختلاف سے سو روپیہ سالانہ پر بولی بکی سید شریف صاحب ختم ہوئی۔ چوتھے سال بھی اسیطرح ۳۲ بتیس روپیہ سالانہ پر بکی سید شریف صاحب بولی ختم ہوئی۔ پانچویں سال کی کشمکش نے کچھ اور ہی رنگ اختیار کیا۔ اب کی دفعہ موراخیلوں اور امانی خیلوں کا مقابلہ ہوا۔ بولی ۶۰ ساٹھ یا اسی روپیہ بکی ملک سمندر شاہ صاحب و مہربان شاہ صاحب ختم ہوئی اسکے بعد پھر کبھی ایسا ضدی مقابلہ تو نہیں ہوا تاہم اس بدبخت قوم نے آپس کی بے اتفاقیوں کیوجہ سے گورنمنٹ کو ناحق فائدہ دیکر اپنی تباہی کرلی۔ اگر یہ روپیہ کسی نیک کام میں خرچ کیا جاتا تو کیا اچھا ہوتا۔ ان سے اتنا اتفاق بھی نہو سکا کہ ایک سال امانی خیل ایک سال حسین خیل ایک سال موراخیل لے لیا کرتے۔ اس طریقہ سے نقصان اٹھانا بھی نہ پڑتا اور خواہ مخواہ کا فساد بھی نہوتا۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَلَیْنَا۔

ضروری عرض

میں ابتدا میں التماس کر چکا ہوں کہ میں ملک سے
دور خیبر کے پہاڑوں میں مقیم ہوں اس لئے کافی
ذخیرہ کے دستیاب ہونے میں دقت ہوئی۔
تاہم نہایت احتیاط سے کام لیا گیا صرف موجودہ
نسل کی خانہ پوری نہ ہو سکی ان میں بھی جن جن
کے حالات سے واقفیت تھی وہ انجام کو پہنچایا گیا
پھر بھی یہ خطرہ دامنگیر رہتا ہے کہ اس میں فرق آگیا تو مجھے
قاصر ضرور ہوگا اس لئے میں تمام حضرات سے خواستگار معافی
ہوں مجھے اس کتاب کی تالیف کی ضرورت محض اظہار حقیقت
قوم خود کی مدعا تھی اس میں خالص مضامین ہیں تو تفصیلاً
یاد و واقفیت تحریر ہیں۔ اگرچہ یہ قوم کی ایک معمولی خدمت
ہے تاہم قوم سے التجا ہے کہ خاکسار کو دعا میں یاد
فرمائیں۔ فقط

آخری عرض

انصاف کا خون کرنا ہوگا اگر میں رسالدار
سید سمندر شاہ صاحب اور
ملک سید اخان صاحب شنواری فخر افغانان
علاقہ آزاد خود مختار کا تہ دل سے شکریہ ادا نہ کروں
کیونکہ اس کتاب یا مجموعہ کی تالیف میں اول الذکر صاحب
نے مالی امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور موخر الذکر
صاحب نے روحانی امداد پہنچائی۔ اور کتاب
کی تصنیف میں بھی اصلاح کی تکلیف
گوارا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ
وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
(مؤلف)